جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدّثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

جنوری ۲۰۱۷ء، جلد نمبر ۱۸، شمارہ نمبر ۱، سلسلہ نمبر ۱۷۶

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

مجلس ادارت

مولانا عبدالرشید بستوی
09634506041

مولانا فضیل احمد ناصری
08881347125

نگراں ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:
فی شمارہ-/15 سالانہ-/150
خصوصی-/1000
تاحیات -/10000

بیرونِ ملک:
سالانہ:20امریکی ڈالر
خصوصی:100امریکی ڈالر
تاحیات:500امریکی ڈالر

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند247554(یوپی)
فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371
موبائل (مدیر): 08006075484
ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت دیوبند کو ہی ہوگا۔

Composed By: Huda Computers Deoband 09027322726

ورق در ورق

صریرخامہ

عصریات	سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری	۳

قرطاس وقلم

حضرت شاہ صاحبؒ اور ہندوستان کی.......	جناب مولانا سید محبوب رضوی، دیوبند	۸

قندمکرر

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اپنے خطوط کے آئینے میں	فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ	۱۴
سورۂ اخلاص: ایک تہائی قرآن مفہوم ومراد	مفتی شکیل منصور القاسمی	۲۴
اپنے زمانے کا سکندر ہی رہا	فاروق اعظم عاجز قاسمی	۳۳
فقہ وفتاویٰ	مفتی نثار خالد قاسمی	۳۸
جامعہ کی سرگرمیاں	مولانا فضیل احمد ناصری	۴۲
نقد ونظر	مولانا فضیل احمد ناصری	۴۶
ہوا کے دوش پر	رضوان سلمانی	۴۸

عصریات

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

یوپی اسمبلی انتخابات کی دھمک ہر گام سنائی دے رہی ہے۔ ابھی تاریخ طے نہیں ہوئی، کوئی تجویز سامنے نہیں ہے، کوئی واضح نقشہ بھی جاری نہیں ہوا، مگر بحثیں جاری ہیں۔ اسمبلی کے انتخابات یوپی کے ساتھ منی پور، اتراکھنڈ، پنجاب اور گوا میں بھی ہونے ہیں۔ توقع ہے کہ جنوری کے اواخر اور مارچ کے پہلے ہفتے کے دوران یہ سرگرمیاں طے پا جائیں۔ ان پانچ ریاستوں میں اتر پردیش کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں کل ۴۰۳ نشستیں ہیں۔ سردست یہاں سماج وادی پارٹی حکومت میں ہے۔ ۲۷ رمئی ۲۰۱۷ء کو یوپی اسمبلی کی میعاد ختم ہو رہی ہے۔

الیکشن قریب آتے ہی سیاسی پارٹیوں نے جال بچھانے کا کام تیز کردیا ہے۔ ہر پارٹی ماحول سازی میں مصروف۔ ہر جماعت کامیابی کی راہیں ہموار کرنے میں مگن۔ مسلمانوں کے غم میں مبتلا یہ شاطرانِ سیاست ووٹ بینک بڑھانے کے لئے ان سے دردمندیوں کا اظہار کررہے ہیں۔ غیر معروف جماعتوں سے لے کر معروف اور صف اول کی جماعتوں تک اسی مہم میں سرگرداں۔ ہر پارٹی اس خوش گمانی کی اسیر کہ فتح کا پرچم لہرائے گا تو صرف اسی کا۔ اقتدار ملے گا تو صرف اسی کو۔ بہوجن سماج پارٹی کا فلسفہ یہ ہے کہ یوپی میں دلتوں کا ووٹ ۲۵ رفیصد ہے۔ اور ایس پی کا ۶ رفی صد، اگر دلتوں کے ساتھ مسلمان بھی بی ایس پی کے ہم نوا ہو گئے تو یوپی میں بی ایس پی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ مایاوتی کا یہ نکتہ بہرحال قابل غور ہے کہ ایس پی اور بی جے پی میں راہ ورسم ہی کا نتیجہ ہے کہ اتر پردیش کی کرسی جب بھی ایس پی کے ہاتھ لگی، بی جے پی کا آفتاب اپنے عروج پر۔ ۲۰۰۹ء میں بی ایس پی کی حکومت تھی تو لوک سبھا انتخابات میں زعفرانی پارٹی کے صرف ۹ رنمائندے کامیاب ہوئے، مگر ایس پی کے دورِ حکومت میں ۲۰۱۴ء کا الیکشن ہوا تو بھاجپا کے ۷۳ رنمائندے پارلیمنٹ کے ممبر بنے۔

کانگریس ملک کی سب سے قدیم پارٹی ہے، دنیائے سیاست کی جہاں دیدہ، سرد وگرم چشیدہ، مگر ۲۰۱۴ء کے ملک گیر انتخابات میں شکست کے بعد اس کا وجود کہیں کھو سا گیا ہے۔ نوٹ بندی کے مسئلے نے

اگر چہ کانگریس کو پھر سے زندہ کیا، تاہم ابھی بھی چلنے اور دوڑنے میں کچھ وقت لگے گا۔ ادھر حکمراں جماعت ایس پی خانہ جنگی کی شکار۔ ملائم سنگھ نے ۳۲۵/امیدواروں کی فہرست جاری کی، تو بیٹے اکھلیش یادو نے اس کے خلاف ۲۳۵/امیدواروں کی اپنی فہرست پیش کی۔ باپ بیٹے کی جنگ یہاں تک پہنچ گئی کہ ملائم نے رام گوپال یادو کو تو اپنی پارٹی سے نکالا ہی، خود اپنے فرزند اکھلیش کو نکال باہر کر دیا۔ یہ دونوں چھ برسوں کے لئے ایس پی سے معطل کر دیئے گئے۔ باپ بیٹے کے باہمی اختلافات کی خبریں پہلے بھی عام تھیں، اب الیکشن کے قریب اس خلفشار نے یو پی کی سیاست میں زلزلہ برپا کر دیا ہے۔ ایس پی ٹوٹنے بکھرنے کا مطلب اس کی شکست یقینی ہے۔

ادھر ''کرنسی بندش'' نے بی جے پی کو بھی پریشان کر دیا ہے۔ ۱۶/دسمبر کو اس سلسلے میں لکھنؤ میں اس کی اہم نشست ہوئی، جس میں شرکا کا خیال یہی تھا کہ نوٹ بندی نے امکانات کی کوششوں کو کافی زک پہنچایا ہے، فی الحال صورت حال گومگو کی ہے۔ اگر بہار جیسا اتحاد یہاں نہیں بنا تو ووٹ بری طرح تقسیم ہوں گے، یہ بھی ممکن ہے کہ بی جے پی کسی سے ہاتھ ملا کر اپنی حکومت قائم کر لے۔

امیدواروں کو اب تک اس بات کی اجازت تھی کہ وہ ایک سے زیادہ سیٹوں پر انتخاب لڑ سکتے ہیں، لیکن کمیشن اب اس اجازت پر پابندی کے موڈ میں ہے، اس نے اس موضوع پر وزارت قانون سے رابطہ کرلیا ہے۔ کمیشن کی مانگ اگر منظور ہوگئی تو یہ ملک کے مفاد میں ہوگا۔ اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے۔

***

۵۰/دن پورے ہو گئے، مگر نوٹ بندی نے جو ضرب لگائی، اس کا درد برقرار ہے۔ ان پچاس دنوں میں عوام کو کیا ملا؟ صرف وعدے، اعلانات، خوب صورت خواب اور جھوٹے دلاسے۔ عوام کا جھک مار کر برا حال۔ بینکوں، اے ٹی ایم اور سرکاری محکموں میں وہی قطاریں۔ ایک طویل مصیبت، ایک صبر شکن آفت۔ ۱۰۰/سے زیادہ افراد لقمہ اجل بن چکے، لیکن حکومت اپنی ضد اور انانیت کے خبط میں مبتلا۔ نوٹ بندی کا مقصد ''کالا دھن'' کی واپسی قرار دیا گیا تھا، مگر نتیجہ کیا نکلا، وہی ایک فی صد کامیابی۔ سیاسی جماعتوں کی مخالفت بھی کوئی رنگ نہ دکھا سکی۔ کئی کئی دن پارلیمنٹ کا سرمائی اجلاس ٹھپ رہا، پھر بھی انجام وہی ناکامی۔ کانگریس نے ۲۷/دسمبر کو اپوزیشن پارٹیوں کی ایک میٹنگ رکھی، جس میں ۸/جماعتیں شریک ہوئیں لیکن سی پی ایم، ایس پی اور بی ایس پی نے اس سے کنارہ کرلیا۔ گویا خود اپوزیشن حکومت سے ٹکرانے کی پوزیشن میں نہیں۔ حالانکہ اس موضوع پر ۸/دسمبر کو ساری ہی جماعتیں متحد تھیں۔

ان پچاس دنوں کے دوران راہل بنام مودی جنگ عروج پر رہی۔ یہ محاذ آرائی اب بھی جاری۔

راہل گاندھی کے حملے روز بروز شدت آمیز ہیں۔انہوں نے مسٹر مودی کو نااہل، گھمنڈی اور تشہیر کی سیاست کرنے والا تو کہا ہی، کئی ایسے سخت جملے بھی کسے کہ غیر متحمل گھبرا جائے۔۸ ر دسمبر کو انہوں نے اپوزیشن کے ساتھ پارلیمنٹ میں یوم سیاہ مناتے ہوئے فیصلے کو پاگل پن بھی کہا۔اسے آزاد ہندوستان کا سب سے بڑا گھوٹالہ بھی قرار دیا۔یہی بات سابق وزیر خزانہ پی چدمبرم بھی کہہ چکے ہیں۔مودی پر کانگریسی حملے پیہم جاری ہیں۔راہل کا کہنا ہے کہ مجھے اس مسئلے پر پارلیمنٹ میں بولنے نہیں دیا جارہا۔اگر میں بولوں گا تو ایوان میں وہ زلزلہ برپا ہوگا کہ وزیر اعظم جھیل نہیں پائیں گے۔ان کے بقول: میرے پاس مودی کے بارے میں ذاتی بدعنوانی کی معلومات ہیں۔

کانگریس نائب صدر راہل گاندھی کے الزامات سنگین نوعیت کے ہیں، ان کا جواب آنا چاہئے، مگر مسٹر مودی جوابات سے کترا کر الفاظ سے کھیل رہے ہیں۔حکومت کسی کی بھی ہو، اسے یہ سوچنا چاہئے کہ ملک کے عوام امیدوں کے ساتھ ہی اسے منتخب کرتے ہیں، حکومت کا کام عوام کی سہولتوں کے لئے اقدام کرنا ہے، نہ کہ چکی کی مشقت میں پیس دینا۔اسلامی حکومت کا یہی امتیاز رہا ہے کہ اس میں عوام کی فلاح کو ہی پیش نظر رکھا گیا۔خلافت راشدہ کے سارے ادوار میں شہریوں کو جو آسانیاں دی گئیں، ان کی نظیر نہیں دی جاسکتی۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنفس نفیس گھر گھر کے چکر لگاتے اور تفقد احوال کرتے۔حکومت کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ امیروں کے تو وارے نیارے ہوں اور غریب خودکشی پر مجبور۔مجھے کہنے دیجئے کہ نوٹ بندی کے حالیہ قضیے میں عوام کی سہولتوں کا قطعاً لحاظ نہیں کیا گیا۔لوگ احتجاج کررہے ہیں، گالیاں دے رہے ہیں، وزیروں کو کوس رہے ہیں، مصیبت جھیل رہے ہیں، وقت کا خون کررہے ہیں، مایوسیوں کے اندھیرے ہیں، کیا یہی طرز حکمرانی ہے؟ کیا یہی اندازِ سیاست ہے؟ ایک ایسا ملک جہاں دیہات کی کثرت ہے، جہاں بنیادی سہولیات تک کا تکلیف دہ فقدان ہے، وہاں ڈیجیٹل معیشت اور کیش لیس نظام کی بات کرنا فطرت سے ہم آہنگ نہیں۔کسی حکومت کی سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ عوام خود کو ٹھگا ہوا سمجھیں۔موجودہ حکومت کا یہی حال ہے۔

***

شام تباہی کی ہولناک داستانیں رقم کرنے لگا۔آہیں، فریادیں، چیخیں، درد وکرب، شام ہی کیا، دنیا کے ہر خطے میں سنی جارہی ہیں۔فتنہ سامانیاں تو ۲۰۱۱ء سے جاری ہیں، لیکن ۱۵ ر نومبر سے جو زلزلہ شروع ہوا ہے، وہ اب بھی سکون آشنا نہ ہوسکا۔لاکھوں افراد شہید ہوگئے۔زخمیوں کا تو شمار ہی نہیں۔کئی شہر ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل۔اقوام متحدہ ہی کی رپورٹ ہے کہ پانچ اعشاریہ تیئس ملین شامی فوری امداد کے مستحق ہیں، جب

کہ ۹۰ ؍لاکھ افراد فاقہ کشی پر مجبور۔ایک ہزار شہری ترکی کی سرحد کے قریب واقع پناہ گزین کیمپوں میں مقیم ہیں۔شیعہ سنی ٹکراؤ نے سنی مسلمانوں کا قافیہ ایسا تنگ کر دیا ہے کہ ان کے لئے نہ جائے رفتن ہے نہ پائے ماندن۔ان کے پاس رہنے کو خیمہ تک نہیں،فضائیں اور ہوائیں بھی ان کے خلاف۔برف باری کا عالم۔سخت ٹھنڈ میں ان کی یہ پریشانیاں رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہیں۔ان پر مصائب کی یہی بارش ہے کہ سعودی عرب نے ان کی مدد کے لئے ملک گیر مہم چھیڑ رکھی ہے۔متاثرہ شہریوں کے لئے ۱۰؍کروڑ ریال جمع کرنے کا اعلان خود شاہ سلمان نے کیا ہے۔اس مقصد کے لئے شاہ سلمان ریلیف سینٹر قائم کیا گیا ہے،اس کے ساتھ ملک کے دوسرے ادارے بھی اس کار خیر میں پیش پیش ہیں۔شاہ سلمان نے ۲۰ ؍ملین، ولی عہد شہزادہ محمد بن نائف نے ۱۰؍ملین اور نائب ولی عہد شہزادہ محمد بن عبدالعزیز نے ۸ ؍ملین ریال کی رقم عطیہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔

سعودی عرب کے علاوہ جرمنی اور ترکی نے بھی دل کھول کر حصہ لیا،مگر جنگ اتنی طویل اور اتنی سنگین چلی ہے کہ اتنی امداد بھی ''اونٹ کے منہ میں زیرہ'' ہے۔شام کا سب سے بڑا شہر حلب مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔ہلاک شدگان کی تعداد ۳؍لاکھ سے متجاوز ہے،جنہوں نے صرف خبریں پڑھی ہیں،وہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ حلب نے کیسا طوفان دیکھا۔سوشل میڈیا میں آئے ویڈیو اور خبروں نے انسانیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔جس کے سینے میں دل ہو،وہ شام کی موجودہ صورتِ حال پر سکھ کا سانس نہیں لے سکتا۔

اس یک طرفہ جنگ کا سب سے شرمناک پہلو یہ ہے کہ بشار الاسد کی بہیمی فوج کے ساتھ ایران اور روس نے بھی جم کر خون کی ہولی کھیلی۔انسانی حقوق کی مسلسل خلاف ورزی پر عالمی برادری خاموش تماشائی بنی رہی۔اقوام متحدہ نے تسلی کے چند بول اور تعزیت کے چند کلمات کے علاوہ وہ جرأت نہیں دکھائی جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی حمایت میں دکھاتا رہا۔امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے اقوام متحدہ کی صحیح ترین تعبیر ''نشستند،گفتند،برخاستند'' سے کی ہے۔ایران ایک عرصہ سے خود کو امن کا پیامبر کہتا رہا،اس کے بیانات کا عالم اسلام نے ہمیشہ خیر مقدم کیا۔جس دور میں امریکہ اسے اپنے دانت دکھا رہا تھا،مسلم دنیا اس کے دکھ درد میں برابر شریک تھی،لیکن اب وہی ایران اپنی مسلم دشمنی کے اظہار میں سب سے آگے ہے۔ایران نے خود اقرار کیا ہے کہ شام کی فتح ایرانی انقلاب کی ''شاہ سرخی'' ہے۔ایران کی اس حرکت سے اس کا مکھوٹا اتر گیا۔اس نے شامی جنگ میں اپنی جو تصویر بنائی ہے،اسے مٹانا ناممکنات میں سے ہے۔تاریخ کے اوراق اس کے چہرے کی کراہت سدا کے لئے محفوظ کر چکے ہیں۔شیعہ حکومت کی عظیم ترین معاونت کا بشار رجیم نے بھی اعتراف کیا ہے۔

بشاری درندوں کا تعاون کرنے والوں میں ''روس'' اہم کردار رہا ہے، اس نے اپنے طیاروں اور فوج سے شامی مسلمانوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے، اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ روس کا ایک فوجی طیارہ ۹۲/مسافروں کے ساتھ بحر اسود میں غرق ہوگیا، جس میں کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ تازہ خبر یہ ہے کہ اس کا فوجی جہاز اغوا ہوگیا ہے، اس میں بھی ۹۰/افراد سوار تھے۔ ظالم کا مقدر یہی ہے کہ کبھی بچا ہے، نہ بچ سکتا ہے، دیر یا سویر اس کو انجام بھگتنا ہے۔ ایک طویل اور خوفناک جنگی سلسلہ شاید اب ختم ہوجائے، خبر ہے کہ ترکی اور روس نے شام میں مکمل جنگ بندی کے منصوبے پر اتفاق کرلیا ہے، جس کے تحت ملک بھر میں ۲۸/ دسمبر سے اس پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔ خدا کرے کہ جنگوں اور خون خرابے کا یہ سلسلہ اب یہیں رک جائے، کیوں کہ یکے بعد دیگرے اسلامی ممالک کا جو حشر ہوا ہے، اس نے ہمارا جینا ہی دوبھر کردیا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جب شام میں خرابی پھیل جائے تو دنیا بھر میں اس سے بری جگہ کوئی نہیں رہے گی۔ کبھی شام کی شہرت سرزمین انبیاء کے عنوان سے تھی۔ پھر تجارتی مرکز کا عنوان لگا، اب اسی ملک کا نام آتے ہی تباہی، دہشت، بربریت اور انسانی خون کی ارزانی تصور میں گھوم جاتی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

***

بقیہ صفحہ ۳۷ کا:

ان سب کے مجموعی اثر سے ادب کی راہ کا مسافر کس قدر متأثر ہوا اور اشعار کی زلفوں کو کتنا سنوار کر خوب صورت انداز میں پیش کیا اس کا فیصلہ قارئین کے حوالے ہے''۔ (عرضِ حال، شناسا)

مفتی صاحب سے راقم کی باضابطہ ایک آدھ ملاقات ہی رہی ہے۔ ایک مرتبہ قاری ساجد کجھناوری کے ہمراہ ان کے حجرے میں گیا اور ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت (2004یا2005) میں دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم تھا۔ بڑی خندہ روئی سے ملے اور شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا۔ راقم پر بھی اس وقت شاعری کا سودا سوار تھا اور ان سے اصلاح کا رشتہ قائم کرنا چاہتا تھا لیکن چند دنوں بعد وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ راقم الحروف کی ملاقات تو ہلکی پھلکی ہی رہی تاہم ان کے بیتے ہوئے ان چند لمحات نے ذہن ودماغ پر ایک دیرپا نقوش چھوڑے جو شاید کبھی مٹے۔ مفتی مرحوم ایک بالکل بے ضرر انسان تھے، ان کے اخلاقی لغت میں تکلیف وآزار جیسے الفاظ کا سرے سے کوئی کالم ہی نہیں تھا۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے!

درددِل، سوزِ جگر، لمس کی خوشبو، یادیں
میں نشاطؔ اپنے زمانے کا سکندر ہی رہا

حضرت شاہ صاحبؒ اور ہندوستان کی تحریک آزادی

جناب مولانا سید محبوب رضوی، دیوبند

کچھ عجیب سا عنوان معلوم ہوتا ہے، جو شخص سراپا علم وفضل ہو اور جس کے شب و روز درس وتدریس کی مصروفیتوں اور علمی مسائل کی گرہ کشائیوں میں گزرے ہوں، اس کا خارزارِ سیاست کی ہنگامہ خیزیوں میں حصہ لینے کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ علمی وعملی کمالات میں جو چیز حضرت شاہ صاحبؒ کو ان کے معاصرین میں ممتاز کرتی تھی، وہ مختلف علوم وفنون میں ان کی جامعیت تھی۔ علوم شرعیہ وعقلیہ میں کوئی علم ایسا نہیں جس میں انہیں کمال اور مہارتِ تامہ حاصل نہ ہو، ضبط واتقان، وسعت مطالعہ، وقتِ نظر، جدتِ فکر، کثرتِ معلومات، ذکاوت وذہانت، فہم وفراست، تبحر علم اور استحضار میں وہ بلامبالغہ اپنی نظیر آپ تھے۔ علماء متقدمین ومتاخرین میں ایسی جامع شخصیتیں شاذونادر ہی پائی جاتی ہیں۔ ایک ہوتا ہے باکمال اور ایک ہوتا ہے جامع الکمالات۔ باکمال سے اگر اس کا کمال چھین لیا جائے تو پھر اس کی شخصیت میں کچھ باقی نہیں رہتا مگر جامع کمالات کا کوئی وصف یا کمال اگر اس سے جدا کرلیا جائے تو دوسرے کمالات کے سبب سے اس کی شخصیت پھر بھی ممتاز اور نمایاں رہتی ہے۔ شاہ صاحبؒ اس طرح کی گوہر شب چراغ اور جامع کمالات شخصیت تھے، وہ اگر محدث نہ ہوتے تب بھی بہت کچھ ہوتے اور علم وفن میں ان کا اسم گرامی سرفہرست ہوتا۔

شاہ صاحبؒ نے اپنی اعلیٰ تعلیم کے آخری مراحل دارالعلوم دیوبند میں طے کیے تھے۔ جہاں ان کے ذہن وفکر پر آخری نقوش شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے فیضانِ علمی کے ثبت ہوئے تھے، جن کی تحریک آزادی ''ہندوستان'' کی سیاسی تاریخ کا ایک روشن اور جلی عنوان ہے، یہ تحریک ''ریشمی خطوط'' کے نام سے موسوم ہے جس سے ہندوستان کا ہر لکھا پڑھا شخص واقف ہے۔ ہندوستان کے نامور عالم اور حضرت شیخ الہندؒ کے

شاگرد رشید مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے دارالعلوم دیوبند میں اپنے زمانۂ طالب علمی کی ایک دلچسپ سرگزشت ''دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن'' کے عنوان سے بیان کی ہے۔ مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:

ایک دن میں حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت کے سیاسی مسلک کے بارے میں دریافت کیا، جب میں اپنی بات پوری کر چکا تو دیکھا کہ حضرت پر ایک خاص کیفیت طاری ہے، اپنے استاذ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت الاستاذ نے دارالعلوم دیوبند کو کیا درس و تدریس اور تعلیم وتعلّم کے لیے قائم کیا تھا؟ جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تا کہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔

میں نے اپنے لیے اسی راہ کا انتخاب کیا ہے جس کے لیے حضرت الاستاذ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا تھا۔'' (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۲)

ہندوستان کے لیے آزادی کی جدوجہد کا یہی وہ شرارہ تھا جو حضرت شیخ الہندؒ کے فیضانِ تربیت سے شاہ صاحبؒ میں منتقل ہوا اور علوم وفنون میں غایت شغف وانہماک کے باوجود وہ شرارہ رہ رہ کر ابھرتا رہا۔ ان کی طالب علمی کا آخری دور جس ماحول میں بسر ہوا تھا اس میں سیاست کے خارزار سے یکسر ان کا دامن کشاں رہنا مشکل تھا، چنانچہ سیاسی حیثیت سے شاہ صاحبؒ ہمیشہ جمعیۃ علماء ہند میں شامل اور اس کی مجلس عاملہ کے رکن رہے اور اپنے گراں قدر مشوروں سے ہندوستان کی آزادی کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی بصیرت افروز رہنمائی فرماتے رہے۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ مرحوم جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس کو اس وقت تک کامیاب نہیں سمجھتے تھے جب تک اس میں شاہ صاحبؒ کی شمولیت نہ ہو۔ اکثر مشورے کے لیے مفتی صاحبؒ دہلی سے دیوبند تشریف لاتے رہتے تھے۔

تحریک شیخ الہندؒ کے نام سے بیسویں صدی عیسوی کے اوائل کا جو برطانوی حکومت کا سرکاری ریکارڈ سامنے آیا ہے اس سے بھی شاہ صاحبؒ کی سیاسی سرگرمیوں کی تصدیق ہوتی ہے کہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کی جدوجہد آزادی سے پیشتر علماء کی ایک جماعت موجود تھی جس نے ہندوستان کی تحریک آزادی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ یہ تحریک حضرت شیخ الہندؒ نے چلائی تھی، کانگریس کے قائدین ابھی سو کر بھی نہ اٹھے تھے کہ یہ ''جماعت'' مسافت کا بڑا حصہ طے کر چکی تھی۔ شاہ صاحبؒ کی نسبت مذکورہ بالا سرکاری ریکارڈ میں لکھا ہے کہ:

''مولوی انور شاہ جو مدرسۂ دیوبند کے استاد اور نامور عالم ہیں، جنگ بلقان کے زمانے میں انہوں نے

''ہلال احمر'' کے لیے چندہ جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے کام لیا، وہ غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کے بھی حامی تھے، مولوی انور شاہ بھی اس سازش میں شریک تھے۔ وہ مولانا محمود حسنؒ کے ہمراہ حجاز جانے والے تھے، لیکن مولانا محمود حسنؒ نے اپنے بعد ہندوستان میں قیام کرنے پر باصرار انہیں روک دیا'' (تحریک شیخ الہند: حصہ دوم، ص ۱۳۱)

حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے تقسیم کار کا یہ وہی طریقہ تھا جو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اختیار فرمایا تھا، انہوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کو انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کے لیے مامور کیا اور شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو درس وتدریس اور تعلّم وتعلیم کی مسند تفویض فرمائی تھی، تاکہ علمی اور سیاسی دونوں محاذوں کو تقویت پہنچتی رہے، برطانوی سامراج کے خلاف یہ اسپرٹ ہمیشہ علمائے دیوبند میں بیدار رہی ہے اور انگریزی حکومت کی مخالفت میں دیوبندی علماء کا ایک طبقہ ہمیشہ پیش پیش رہا ہے، سامراجی استحصال کے خلاف آواز بلند کرتے اور مسلمانوں میں تحریک آزادی کی روح پھونکنے کی پاداش میں علمائے دیوبند نے قید وبند کی مصیبتوں کو برداشت کیا ہے اور اس طرح مردانہ وار ان کا مقابلہ کیا ہے کہ راہِ حق سے کبھی ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں برادرانِ وطن کے دوش بدوش مسلمانوں کے شریک ہونے کی راہ ہموار کی، اس زمانے میں مسلمان بحیثیت ایک قوم کے کانگریس میں شریک نہ تھے۔ کچھ لوگوں کو شرکت کے جواز میں شبہ تھا اور کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے بہت کم ہے، تعلیم اور دولت میں بھی مسلمان ہندوؤں سے پیچھے ہیں، اس لیے اگر مسلمان کسی متحدہ جماعت میں شریک ہوں گے تو ان کی ہستی پامال ہوجائے گی، اسی خیال کا نتیجہ تھا کہ عرصے تک مسلمانوں کی پالیسی یہ رہی کہ مسلمانوں کو الگ رہ کر اپنی جماعتی تنظیم کرنی چاہئے۔

جمعیۃ علماء ہند کے آٹھویں سالانہ اجلاس میں جو دسمبر ۱۹۲۷ء میں حضرت شاہ صاحبؒ کی زیر صدارت پشاور میں منعقد ہوا تھا، اس عظیم الشان اور تاریخی اجلاس کے صدر کی حیثیت سے انہوں نے اپنے بصیرت افروز خطاب میں جہاں متعدد اسلامی مسائل پر بحث کی ہے وہیں مسلمانوں کو برادرانِ وطن کے ساتھ شریک کار ہو کر ملکی سیاست میں پوری سرگرمی اور جوش عمل کے ساتھ جدوجہد کرنے کی پرزور تلقین فرمائی ہے اور مسلمانوں کو جرأت مندانہ طور پر تحریک آزادی میں حصہ لینے کی ہدایت کی ہے۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے استدلال کیا ہے اور اس معاہدے سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ منورہ کے یہودیوں سے کیا تھا، یہ ثابت کیا ہے کہ ملک کے دفاع کے لیے اگر مسلمان غیر مسلم جماعتوں کے ساتھ مل کر سیاسی جدوجہد میں حصہ لیں گے تو ان کا یہ عمل صرف

سیاسی نوعیت کا نہ ہوگا بلکہ اسلام کے تقاضوں کے مطابق بھی ہوگا۔ اپنے خطبۂ صدارت میں حضرت شاہ صاحب نے اس رہنما اصول کی جانب خاص توجہ دلائی ہے کہ کسی حکومت سے آزادی عطا کیے جانے کی ہرگز توقع نہیں رکھنی چاہئے اس لیے کہ آزادی عطا نہیں کی جاتی بلکہ وہ طاقت و ہمت سے حاصل کی جاتی ہے۔

معاہدۂ مدینہ کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''معاہدہ کا یہ موضوع بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کا پورا پورا احترام کرے اور ایک دوسرے کی جان و مال، عزت وآبرو پر حملہ آور نہ ہو، ایذا دہی کو حرام سمجھے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہو، مگر دوسروں کی دل آزاری نہ کی جائے'' (خطبۂ صدارت ص ۸)

ہندوستان سے مسلمانوں کے تعلق کی گہرائی کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہندوستان جس طرح ہندوؤں کا وطن ہے، اسی طرح مسلمانوں کا بھی وطن ہے، ان کے بزرگوں کو ہندوستان آئے صدیاں گزر گئی ہیں، ہندوستان کے چپے چپے پر مسلمانوں کی شوکت کے آثار موجود ہیں، جو زبان حال سے مسلمانوں کی وطن سے محبت کی شہادت دیتے ہیں، مسلمانوں کی موجودہ نسل کا تو خمیر ہی ہندوستان کے آب وگل سے بنا ہے، اس لیے مسلمانوں کو ہندوستان سے ویسی ہی محبت ہے جیسی کہ ایک سچے محب وطن کو ہونی چاہئے''۔ (خطبۂ صدارت: صفحہ ۱۹)

مختلف العقائد آبادی میں صلح اور نباہ کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہر مذہب کے معتقد اپنے مذہبی عقائد واعمال کی بجا آوری میں آزاد ہوں اور کوئی فریق دوسرے فریق کی آزادی میں خلل انداز نہ ہو، لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنے اعمال کو اسی انداز سے بجالائے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اور اس کے حقوق میں دست اندازی نہ ہو'۔ (خطبۂ صدارت: ص ۳۰)

خطبے کے آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں کے اجتماعی تقاضوں کا جائزہ لیا ہے، چنانچہ ہندوستان میں دار القضاء کے فقدان اور اس کی شرعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ بہت سے ایسے امور ہیں جن میں شرعی فیصلے کی ضرورت ہے اور دار القضاء کے بغیر وہ نافذ اور جائز نہیں ہو سکتے، نکاح وطلاق اور خلع ومیراث کے بہت سے معاملات ہیں جن کے جاری اور نافذ کرنے کے لیے علماء کے ہاتھوں میں طاقت کا ہونا ضروری ہے اور اس کا واحد حل دار القضاء کا قیام ہے۔

شاہ صاحبؒ نے خطبے میں اصلاحِ رسوم کے عنوان سے ان امور کی جانب بھی توجہ دلائی ہے جن کے مسلم معاشرے میں جڑ پکڑ لینے سے مسلمان معاشی اور اقتصادی پریشانیوں میں گھر گئے ہیں، ان میں شادی اور غمی کی قبیح رسمیں، لڑکیوں کی شادی پر تلک لینے کی رسم، سود پر قرض حاصل کرنا، اوقاف کی تنظیم وتحفظ

اور اوقاف کی آمدنی کا صحیح استعمال وغیرہ امور شامل ہیں۔

غرض کہ شاہ صاحبؒ کے خطبۂ صدارت میں نہ صرف ملک کے سیاسی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ معاشرے کے معاشی اور اقتصادی مسئلے پر مسلمانوں کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے جو چیزیں ضروری ہوسکتی تھیں ان سب کا پوری بصیرت کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے، اس لیے شاہ صاحبؒ کا یہ خطبہ ایک بڑی قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۹۳۰ء میں جب گاندھی جی نے نمک پر لگائے گئے محصول کے خلاف اپنی تحریک شروع کی تو انہیں شاہ صاحب کی رہنمائی سے مدد ملی تھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمک پر لگائے گئے محصول کے خلاف عوام میں بڑی بے چینی پائی جاتی تھی، اس محصول کو ختم کرانے کے لیے گاندھی جی نے ایک مستقل تحریک چلائی اور اس کے لیے گجرات کا دورہ شروع کیا، اس دورے کی آخری منزل گجرات کا ڈانڈی نامی گاؤں تھا، اس لیے یہ دورہ ڈانڈی مارچ کے نام سے موسوم ہے، گاندھی جی نے اس تحریک کا آغاز تو کر دیا تھا مگر ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ ان کے اس عمل کے لیے مذہبی اور اخلاقی جواز ہونا چاہئے۔ گاندھی جی کا معمول تھا کہ وہ اپنے ہر کام کے لئے ہردے یعنی ضمیر کی آواز کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے جس کو اپنے الفاظ میں ''ہردے کی آواز'' سے تعبیر کیا کرتے تھے، چنانچہ اس موقع پر بھی گاندھی جی ذہنی خلش محسوس کر رہے تھے اور ہردے کی آواز کے منتظر تھے کہ انہیں اخبارات کے ذریعے یہ اطلاع ملی کہ ہندوستان کے ایک ممتاز عالم حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے لاہور میں ''انجمن خدام الدین'' کے سالانہ جلسے میں تقریر کرتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں تین چیزوں پانی، گھاس اور نمک کو مباح الاصل بتایا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حکومت پانی، گھاس اور نمک پر ٹیکس نہیں لگا سکتی۔

اس زمانے میں شاہ صاحبؒ کا قیام گجرات کے مدرسہ ڈابھیل میں تھا۔ گاندھی جی ڈانڈی کی جانب مارچ کرتے ہوئے جب ڈابھیل کے قریب سے گزرے تو حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ اور مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی گاندھی جی سے ملنے اور مارچ میں شریک ہونے کے لیے پہنچے، گاندھی جی کو معلوم تھا کہ یہ دونوں حضرات شاہ صاحب کے شاگرد ہیں، گاندھی جی نے انہیں دیکھ کر کہا کہ ''آپ لوگوں کے استاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے نمک کے متعلق جو حدیث بیان کی ہے آپ اس حدیث کا انگریزی میں ترجمہ کرا کر مجھے دے دیں''۔ جب یہ حدیث گاندھی جی نے دیکھی تو انہیں بڑی خوشی ہوئی اور بولے کہ میں نے نمک سازی کے لیے جو تحریک شروع کی ہے اس کے لیے میں چاہتا تھا کہ مجھے کوئی روحانی اور باطنی مدد ملنی چاہیے، اس کے لیے مجھے بڑی بے چینی تھی۔ میرا ہردے اطمینان کی تلاش میں بے چین تھا،

اب مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوا کہ میرے اس کام کو پیغمبر اسلام کی تائید حاصل ہے، اور میرے ساتھ ایک بڑی روحانی اور آسمانی امداد شریک ہے۔ اب مجھے اپنے کام کی سچائی کا پورا پورا یقین ہو گیا ہے۔

گاندھی جی اس کے بعد اس حدیث کا ترجمہ شاہ صاحبؒ کے حوالے سے اپنے انگریزی اور ہندی اخبار ''ینگ انڈیا'' اور ''نوجیون'' کے پہلے صفحے پر شائع کرتے رہے۔

اگرچہ شاہ صاحبؒ کو اپنی علمی اور درس وتدریس کی مصروفیتوں کے سبب سے عملی طور پر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے اور سیاسی میدان میں تگ وتاز کا موقع نہ مل سکا مگر وہ اپنی دانش وتدبیر اور فکر ونظر سے ہندوستان کے سیاسی قائدین کی ہمیشہ رہنمائی فرماتے رہے، جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں کو بھی ہمیشہ شاہ صاحبؒ کی فکری بصیرت اور سرپرستی حاصل تھی اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسوں کو اس وقت تک کامیاب نہیں سمجھتے تھے جب تک شاہ صاحبؒ شریک نہ ہوں۔

ہندوستان کے نامور مجاہدین آزادی

مولانا ظفر علی خان، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، چودھری افضل حق، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا نور الدین بہاری، مولانا عبد الحنان ہزاروی، قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔

یہ سب حضرات دین وسیاست کی بڑی بڑی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ ان میں اکثر حضرات شاہ صاحبؒ کے براہِ راست شاگرد تھے اور چند باقاعدہ شاگرد نہیں تھے وہ آپ کے حلقۂ علم وفکر میں زیر تربیت رہ چکے تھے۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

اپنے خطوط کے آئینے میں

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ
بانی جامعہ ھذا

هداء الخالون عن شجوى فناموا   وعينى لا يلا ئمها منام
وما سهرى لانى مستهام   إذا ارق المحب المستهام
ولكن الحوادث ارقتنى   فلى سهر إذا هجد النيام

حضرت الاستاذ مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد یہ دوسرا جاں گسل حادثہ ہے، جس کا مہیب تاثر متاعِ سکون کے لیے صاعقہ اور جس کے جاں سوز اثرات ''سرمایۂ اطمینان'' کے لیے برق تپاں ثابت ہوئے۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت الاستاذ علامہ مناظر احسن گیلانی کی موت سے دیوبند حلقے کا ایک کامیاب قلم ٹوٹ گیا، اور یہ بھی سچ ہے کہ ان کی وفات سے ہندوستان کے علمی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا اب اس کا اسی انداز میں پر ہونا صرف مشکل نہیں بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔ کم وبیش چالیس سال جس کا قلم متحرک رہا اور جس کے قلمی کارناموں سے ہندوستان کے علمی وسنجیدہ حلقے گونجتے رہے، اچانک علم وتحقیق کا وہ چشمہ خشک ہوگیا اور ایک مخصوص طرزِ انشا کا موجد، بلکہ صاحبِ طرزِ ادیب کی رحلت سے بزمِ علم سونی ہوگئی ؎

صد حیف یوں کہ زمزموں کا تسلسل نہیں رہا
سونا پڑا ہے باغ کہ بلبل نہیں رہا

وہ اپنے دائرۂ فکر ونظر میں ایک ایسی انفرادیت کے حامل تھے، جس کا رنگ نہ کسی ادیب کی نگارشات میں دکھائی دیتا ہے اور نہ اس کی جھلک کسی اہل قلم کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ علمی تحقیقات کو خاص انداز میں پیش کرنے اور وسیع معلومات کو اچھوتے اسلوب میں ڈھالنے کا جو سلیقہ ان کو عطا کیا گیا تھا آج انہیں کے ساتھ گیلان کے ایک گوشہ میں دفن ہوگیا۔ ذہانت وذکاوت کے ساتھ یادداشت اور قوت حافظہ کی جن بے نظیر وسعتوں سے مولانا کا دامنِ علم لبریز تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ بالکل قلم برداشتہ اور ارتجالاً کسی بھی موضوع

پرتحقیقات کا وہ انبار لگا دیتے اور اپنی تحریروں کو علمی حوالوں سے بے تکلف مزین و آراستہ کرتے جاتے ان کی تحریروں کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دماغ علوم و کمالات کی ایک المباری ہے، جو ہر وقت کھلی رہتی، یا پھر کوئی مبسوط و متنوع مضامین سے لبریز کتاب ہے جس کے صفحات مولانا کے سامنے کھلے ہوئے ہیں اور وہ جب چاہتے ہیں تحقیق و معلومات کے ان گراں مایہ موتیوں کو نوکِ قلم پر اٹھا کر صفحات پر بکھیرتے جاتے ہیں۔ نیز واقعات سے حیرت انگیز استنباطات اور مصنف کی تحریر سے دل آویز و دلچسپ موشگافیاں ان کا خاص ملکہ اور مخصوص حصہ تھا، کم از کم اس طرز میں اس پایہ کی شخصیت اس حقیر کی نظر میں اب کوئی نہیں۔

ہندوستان کے مشہور مصنفین اور ممتاز اہل قلم کی تحریروں اور تصانیف کو دیکھنے کا موقع ملا، لیکن مولانا گیلانی کی انشاء میں جو دیکھا اور پایا؛ بلا مبالغہ اس ''طرز'' سے سب ہی خالی نظر آئے۔ وہ لوگ جو مولانا پر طویل بیانی، اغلاق و ابہام، بے ترتیبی و ژولیدہ بیانی کا الزام لگاتے ہیں (اگر چہ خاکسار کو ان اعتراضات میں سچائی کم، تعدی زیادہ نظر آتی ہے) بلکہ ان بے وقت کی راگنیوں کے مقابل سودا کا وہی جواب وردِ زباں ہوتا ہے جو اس با کمال سخنور نے ایسے ہی اعتراضات و نقائص ڈھونڈھ کر نکالنے والوں کو دیا تھا کہ ؎

سودا کے تئیں کہتے ہیں شاعر معلق
کیا مصرع بے ربط کیا تو نے یہ تحریر

لیکن ان لوگوں کو بھی مولانا کی انشائی جدتوں کا مداح اور مخصوص انفرادیت کا ثناخواں پایا، بلکہ بعض احباب تو یہ کہتے ہوئے سنائی دیئے کہ ؎

''اس شخص کی تحریریں اس درجہ دل چسپ ہوتی ہیں کہ ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا''۔

خود اپنا تو حال ہے کہ مولانا کا انداز تحریر، طرز نگارش، ادب و انشاء کا دل نشیں اسلوب کچھ ایسا بھایا کہ اس مختصر قلمی زندگی کے سلسلۂ تلمذ کو انہیں کے دامن علم و کمال سے وابستہ کرنے میں سعادت پائی۔ ہندوستان میں ادیب، صاحب طرز انشاء پرداز کم نہیں، بہت زیادہ ہیں، خصوصاً علامہ شبلی مرحوم، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہم کہ یہ سب ہماری انشائی زندگی کے لازوال نقوش اور نہ مٹنے والے نشان ہیں، لیکن سید المحترم مولانا گیلانی جس خصوصیت اور مقام کے مالک تھے وہ انہیں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ خدا شاہد ہے کہ نہ موازنہ مقصود ہے اور نہ ان علوم و کمالات کی حامل ہستیوں کے عمق و گہرائی کو ناپنا مطلوب، بلکہ اپنے دل اور دماغ پر جو اثرات قائم ہیں بلا کم و کاست انہیں کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بعض اہم عنوانات پر مولانا کے خامہ عنبر شمامہ نے جو کچھ چھوڑا ہے اس کو دیکھ کر تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ مولانا اگر شعر کی زبان میں یہ دعویٰ کرتے تو یقیناً برمحل اور واقعہ کے مطابق ہوتا کہ ؎

بانگ قلمم دریں شب تار
بس معنی خفتہ کرد بیدار

تقریباً دس سال سے ہندوستان کے بعض چیدہ اہل قلم اپنی تحریروں میں مرحوم کے عکس کو جس طرح اپنانے کی سعی وکاوش کررہے ہیں اسی جدوجہد کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا کا طرز اپنے دامن میں جو بے پناہ دلچسپی رکھتا تھا اس کی ہمہ گیر خصوصیات دوسروں کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکیں ؎

بہت بے اثر تم اسے جانتے تھے
زبانوں پہ ہے اب کہانی ہماری

اگرچہ ابھی تک کسی منتخب اہل قلم کی تحریر اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی نظر نہیں آئی لیکن اس راہ میں جو کدو وکاوش بعض ارباب فکر ونظر کررہے ہیں، اس کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے علمی حلقوں نے مولانا مرحوم کو ''صاحب طرز ادیب'' تسلیم کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب مخدوم گیلانی کی موت کے بعد سنجیدہ اہل قلم، ان کی انشاء اور مخصوص طرز کا اپنے اپنے رنگ میں تجزیہ کرکے مولانا کے اچھوتے اور شاداب طرز سے علمی حلقوں کو باخبر کریں گے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس بے بضاعت کو مولانا مرحوم کی ذات گرامی سے جس درجہ عقیدت و نیاز ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ کچھ عرصہ ان کی بابرکت وفیض بخش صحبت سے استفادہ کیا جاتا، اور اس خزانۂ علوم کے درِشاہوار کو باوجود اپنی تنگ دامنی کے سمیٹنے کی کوشش ہوتی، لیکن اسے بدقسمتی کہیئے یا اتفاقات کہ مولانا مرحوم سے طویل ملاقات کا موقع نہ مل سکا، غالباً صرف ایک مرتبہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے موقع پر جب وہ ''حیدرآباد'' سے رکن کی حیثیت سے شریک ہونے کے لیے تشریف لائے تھے تو بہت ہی مختصر سی ملاقات ہوئی، جس کے نقوش نہایت اچٹتے ہوئے، جس کا خاکہ بہت ہی دھندلا سا قلب و دماغ میں جاگزیں ہے، اس لیے ان کی سیرت وکردار پر کوئی خاص چیز جو تجربہ ومشاہدہ سے متعلق ہو، نہیں لکھی جاسکتی، اور واقعہ تو یہ ہے کہ مرحوم اپنی زندگی کے بہت سے سوانح وادوار سے خود ہی مطلع کرگئے، جس کے بعد اب ان کی حیات کا مرقع انہیں کی تحریروں سے تیار کرلینا بہت سہل اور آسان ہے۔

بہرحال کسی طویل شفاہی ملاقات سے محرومی کا تو افسوس ہے اور رہے گا، بلکہ اس سلسلہ میں تو اب اپنی حرماں نصیبی کے تصور سے بھی دل خون ہوتا ہے، تاہم اگر مکتوبات، انسانی زندگی کا آئینہ دار ہیں اور نجی خطوط سے شخصی کردار واخلاق کو معلوم کرلینے کا اصول مسلم ہے تو احقر نے مولانا گیلانی کے مکتوبات میں جس طرح ان کے کردار واخلاق کو جلوہ گر پایا، اور جس طرح ان کی شمائل وخصائل کو نمایاں دیکھا، اسی کی روشنی میں ایک

دھندلا سا خاکہ قلم سے کھینچنے کی کوشش کرتا ہوں۔

مولانا مرحوم جس پایہ کے محقق اور جس درجہ کے اعتمادی شخصیتوں میں سے تھے اس کا بداہۃً نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ ان کے عقیدت مندو نیاز کیش ہزار ہا ہزار کی تعداد میں ہوں، اور پھر ان ہزاروں عقیدت مندوں کے وسیع حلقے پر نظر ڈالنے سے قلب میں انانیت، دماغ میں رعونت خواہ مخواہ پیدا ہو، لیکن ان بدیہی نتائج کے برخلاف خاکسار نے ان کی تحریروں اور مکاتیب میں جو تواضع، انکسار، ہضم نفس اور سلامتی طبع پائی، شاید ہی ہندوستان کے کسی اور مسند نشین کمال کی یہ خصوصیت ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرا ہی تجربہ ہے یا عموماً ان کی طرف سے اسی ''کردار'' کا اظہار ہوتا۔

بہرحال اس بے بضاعت نے اپنے آپ کو ان کا ہمیشہ چھوٹا سمجھا اور اسی یقین کے ساتھ جب ان سے مراسلت کی نوبت آئی تو جواب میں حضرت مولانا اپنے آپ کو ''چھوٹوں کا بھی چھوٹا'' پیش کرنے میں قطعاً عار محسوس نہ کرتے، بلکہ انکسار و اخلاق کا ایسا مظاہرہ فرماتے جس کو دیکھ کر خود شرم و ندامت سے پانی پانی ہونا پڑتا۔ ایک مرتبہ احقر نے ایک عریضہ تحریر کیا، جواب میں تاخیر ہوئی، یاددہانی کے لیے مکرر لکھا گیا، تو حضرت مولانا جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آپ کا نوازش نامہ کیا ملا کہ تھوڑی دیر کے لیے گویا پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، حافظہ قطعاً مدد نہیں دے رہا ہے کہ یہ گستاخی آپ کے اس خانہ زاد خادم سے کب صادر ہوئی کہ جواب اور وہ بھی آپ کے گرامی نامہ کا میری طرف سے نذرِ تغافل ہوا''۔

گو خطوط کے جواب میں غیر معمولی طور پر کاہل ہوں، لیکن آپ کے خط کا جواب بھی نہیں دیا گیا، ایسا یاد نہیں پڑتا، تاہم بشریت کے لوازم سے مستثنیٰ نہیں ہوں، کوئی صورت کبھی اگر ایسی پیش آئی ہو تو دست بستہ معافی کا طلب گار ہوں۔ آپ کے والد ماجد قدس سرہ کے جو احسانات اس فقیر پر ہیں آپ لوگوں کی یاد کے ساتھ وہ بھی یاد آجاتے ہیں، امید ہے کہ آپ عفو و صفح سے ضرور کام لیں گے''۔

سبحان اللہ! معذرت کا کیا عجیب و غریب پیرایہ ہے جو ہر اعتبار سے اپنا مخدوم تھا، وہی خادم کی شکل وصورت میں جلوہ فرما ہونے کی سعی کر رہا ہے، بلا شائبہ تکلف، اہل علم کو تو درکنار، خود خانقاہ نشین رجال واشخاص میں جو ان بلند اخلاق وشمائل کے حامل ہونے کے خاص طور پر اہل ہوتے ہیں، اس فروتنی و تواضع کا نمونہ خال خال نظر آئے گا۔ میرا سب سے پہلا مکتوب جس میں حضرت مولانا سے قلمی کاروبار میں استفادہ کی درخواست کی گئی تھی، اس کے جواب میں لکھا ہوا آیا کہ:

''جذبات سے لبریز آپ کا گرامی نامہ موجب عزت افزائی ہوا، اپنے آستانے کے اس خادم حقیر کے

متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ زیادہ حسن ظن آپ کے اندر پیدا ہو گیا ہے، بہر حال پہلے بھی آپ کے برادر بزرگ مولانا ازہر شاہ قیصرؔ سے عرض کر چکا ہوں اور وہی آپ کے آگے بھی دوہراتا ہوں ؎

اسی گھر سے ملا جو کچھ ملا ہے
مری جھولی میں ورنہ کیا دھرا ہے

مختصر یہ کہ اس سنگلاخ وادی میں ان کے قدم بڑے استوار واستقامت کے ساتھ جمے ہوئے نظر آتے ہیں، اس کے ساتھ مرحوم میں سیرت سازی، شخصیت بنانے، حوصلہ افزائی اور ہمت بڑھانے کی بے پناہ اور بڑی قابل قدر طاقت تھی، بلکہ نوجوانوں کی تربیت کا ان کو ایسا سلیقہ عطا کیا گیا تھا جو ان کی انفرادیت کا مستقل شعبہ ہے۔ اوروں کے متعلق تو کچھ کہنے کا مجھ کو حق نہیں، لیکن جن تجرباتی مراحل سے خود گزر کے آیا ہوں ان کا بیان نہ کرنا دیانت کے خلاف ہوگا، اس حقیر کو قلم اٹھانے کی جرأت بھی نہ ہوتی اگر مولانا مرحوم کے چند مکاتیب سے سرفراز نہ ہوتا، انہوں نے اپنے پہلے ہی مکتوب میں اس تہی مایہ کو یہ باور کرایا کہ مجھ میں نہ صرف لکھنے لکھانے کی صلاحیت، بلکہ اس کاروبار کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے دامن لبریز ہے، من آنم کہ من دانم، **بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ** لیکن ان کی اس تربیت وانداز کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ ایک بے بضاعت و بے مایہ کو کم از کم ہاتھ میں قلم اٹھانے کی ہمت ہوئی، خام و ناپختہ کار نوجوانوں کی ہمت افزائی کا یہ عجیب وغریب طرز شاید ہی کسی اور شخصیت کا امتیاز ہو۔

چند مکتوبات کے بعد جب اصلاح کی درخواست کی گئی تو انہوں نے لکھا کہ:

''ہر شخص کے رجحان، افتادِ طبع، اس کی اندرونی صلاحیتوں کی نوعیت کو معلوم کرنے کے لیے صرف چند سطریں اربابِ نظر کے نزدیک کافی ہوتی ہیں۔ خاکسار نے آپ کی کوئی مستقل تحریر تو نہیں دیکھی ہے، صرف متعدد مکاتیب ہی سے سرفراز ہوا ہوں، لیکن ان خطوط میں بھی جو کچھ میں نے پایا ہے اس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ ''اسلام'' کی خدمت قلم کی راہ سے انشاء اللہ آپ آئندہ کریں گے، اس کی توفیق آپ کو بخشی جائے گی اور گو چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں کشمیر کے سادات کے ایک خانوادہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہونے والی ہے''۔

آپ خود بتایئے کہ اس موقعہ پر مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے کیا اس سے مخاطب میں اپنی صلاحیت واستعداد سے کام لینے کی جرأت پیدا نہ ہوگی؟ سنگلاخ و حوصلہ فرسا وادیوں میں اترنے کی ہمت نمایاں نہ ہوگی؟ یقیناً ایسا ہوگا کہ خام و ناپختہ کار اپنی اندرونی صلاحیتوں سے کام لینے پر نہ صرف خود کو آمادہ بلکہ مشتاق پائے گا۔

بہر حال مولانا کی تربیت کے اس خاص رخ سے مجھ ایسے بے مایہ لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے انہیں کی ترغیب وتوجہ دلانے پر جب ایک ابتدائی مقالہ اصلاح کے لیے ارسال خدمت کیا گیا، تو چند روز کے بعد مقالہ کے ساتھ حسبِ ذیل مکتوب گرامی بھی صادر ہوا، مولانا نے ہمت افزائی کی راہ سے تحریر فرمایا کہ:

''کئی دن ہوئے کہ آپ کی امانت اور غیر معمولی محنت ومشقت کا ثمرہ اس ظلوم وجہول کی آنکھوں سے گزرا، جس عمر میں آپ نے اپنی قدرتی صلاحیتوں کا ثبوت اس مقالہ کی صورت میں پیش کیا ہے، اس کو دیکھ کر افسردہ پژمردہ دل میں امید کی نئی لہر اٹھنے لگی، حق تعالیٰ کا شکر بجالایا کہ مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کے لیے انشاء اللہ لوگوں کو قدرت کھڑا کرتی رہے گی۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ جس عمر میں آپ کا یہ کام بن پڑا ہے یقین دلاتا ہوں کہ اس عمر میں اپنے لیے تو اس کو میں شاید معجزہ ہی قرار دیتا، یہ آپ کی پہلی کوشش کا پہلا نمونہ ہے۔

''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات''۔ ''با سالیکہ نکوست از بہارش پیدا''۔

سب سے پہلے تو آپ کے اس موروثی نیاز مند کا معروضہ یہ ہے کہ جس وادی میں آپ نے قدم رکھا ہے ہمت نہ ہاریئے گا اور بڑھتے ہی چلے جانے کا عزم راسخ فرمالیجئے! ابتداء میں ممکن ہے نکتہ چینیاں بھی ہوں، لوگ حوصلہ شکنیوں سے پیش آئیں، لیکن بقول شخصے ؎

چلو نوجوانو! بڑھے جائیو!
دو جانب سے باگیں لئے جائیو

آپ ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے کام میں لگے رہئے، حق مقتدر وتوانا سے مجھے امید ہے کہ بہت جلد دنیا آپ کے مضامین ومقالات کی پیاسی ہوجائے گی، کم از کم میں نے تو اطمینان کی سانس لی۔ شکر بجالایا کہ دیوانوں کی جماعت میں ایک اچھے دیوانہ کا اضافہ ہوا''۔

مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم کی سوانح ''تذکرۃ الاعزاز'' شائع ہوئی تو احقر نے ایک نسخہ ارسال خدمت کیا، چند روز کے بعد مکتوب گرامی سے سرفراز فرمایا اور لکھا کہ:

''جی ہاں! بالکل غیر مترقبہ نعمت کی شکل میں آپ کے ہدیہ سنیہ سے سرفراز ہوا یعنی مخدوم ومحترم مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہ کی سوانح عمری، جو آپ نے مرتب کی ہے، تھوڑی دیر کے لیے اس مطالعہ سے استغراق نے سارے غم کو غلط کر دیا۔ مولانا ممدوح کے ساتھ تقریباً چالیس سال سے عقیدت ونیاز کا جو تعلق رکھتا ہوں اس تعلق کی تجدید بھی ہوئی اور بڑی مسرت اس کی ہوئی کہ جانے والوں کے بعد سبحانہ وتعالیٰ سے امید ہے کہ کام کرنے والے انشاء اللہ ان کی جگہ پر آجائیں گے، ''باطل'' کے مقابلہ میں ''حق'' کی صف

میں جوخلا پیدا ہو رہا ہے یہ خلا انشاء اللہ خلا باقی نہ رہے گا، آپ کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے، جس خوبی اور سنجیدگی کے ساتھ آپ نے ''نقش اول'' کو کاغذ پر ثبت کیا ہے ممکن ہے کہ آپ کی نظر میں ابھی اس کی چنداں قیمت نہ ہو لیکن نوجوانوں کی تربیت وتعلیم کا تجربہ جو رکھتے ہیں وہی کچھ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس آغاز کے پیچھے کتنا شاندار انجام جھانک رہا ہے۔''

صرف یہی نہیں بلکہ حضرت مولانا نے اسی ''تذکرۃ الاعزاز'' کے مطالعہ کے بعد برادر محترم مولانا سید ازہر شاہ قیصر کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ:

''بھائی میاں انظر سلمہ، نے ''تذکرۃ الاعزاز'' لکھ کر اپنی پوشیدہ صلاحیت کا زندہ ثبوت پیش کیا ہے، صرف نام پر ذرا اول رکا، علم پر الف لام کچھ ٹھیک معلوم نہ ہوا، حیاتِ اعزاز، کردارِ اعزاز، اعزاز کی زندگی، شیخ الفقہ والادب، میں کوئی کسر نہ تھی۔ ان کو نہ لکھا آپ سے عرض کر دا، ان کی فرمائش پر ایک پروگرام لکھ کر بھیج رہا ہوں، ان کی تربیت کی طرف آپ کی توجہ کی خصوصی ضرورت ہے، بڑا ہونہار جوہر ہے، خدا نہ کرے کہ لاپروائی کا شکار ہو جائے''۔

مولانا کی تربیت کا یہ خاص رخ وانداز تھا جس کی جانب میں نے اشارہ کیا۔ معاذ اللہ اپنی قصیدہ خوانی مقصود نہیں، نہ کبھی مرحوم کے ان وقیع کلمات سے ہمہ دانی کا واہمہ ہوا، بلکہ اس کے برعکس میں تو ان کے دامنِ علم وکمال سے اپنی وابستگی کو اپنے لیے فخر ومباہات کا باعث سمجھتا ہوں اوران کے یہ بلند کلمات میرے لیے طرۂ امتیاز وافتخار ہیں ؎

داغ غلامیت کرد رتبہ خسرو بلند
میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

بلکہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان کو خام وناپختہ کار نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا قابل قدر طریقہ وسلیقہ حاصل تھا، وہ اپنے نیازمندوں کی جس انداز میں حوصلہ افزائی فرماتے نفسیاتی طور پر اس کا گہرا اور منفعت بخش اثر نمایاں ہوتا، دوسروں کے متعلق کیا عرض کروں، خود اپنے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ اس انداز سے تربیت نہ فرماتے تو مجھ کو کبھی قلم اٹھانے کی بھی ہمت وجرأت نہ ہوتی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرحوم کمزوریوں سے صرف نظر فرماتے، نہیں بلکہ وہ ایک کامیاب وتجربہ کار مربی کی طرح نقائص وکوتاہیوں پر توجہ دلاتے رہتے، بلکہ اس سلسلہ میں اپنے خیال میں اپنی بعض کمزوریوں پر بھی ان کی نظر تھی۔ احقر نے اپنا ایک طویل مقالہ اصلاح کے لئے ارسال کیا، جس میں ژولیدہ بیانی کافی حد تک تھی، تو مولانا نے گرفت فرمائی اور لکھا کہ:

''اس کے ساتھ آپ کی خدمت میں ایک اور بات عرض کرنی ہے، خاکسار کی کتاب ''تعلیم وتربیت'' کے متعلق معلوم ہوگا کہ صرف بیس دن کی محنت میں لکھی گئی اور وہ بھی فجائی طور پر قلم سے نکل پڑی، اسی کا نتیجہ ہے جیسی کہ چاہیے ترتیب کے لحاظ سے کتاب میں کافی نقص رہ گیا، اگرچہ ہمارے احباب نے کافی مروت سے کام لیا اور کتاب کی اس کمزوری کو اچھالا نہیں، یہ ان کی مہربانی ہے، مگر عیب بہر حال عیب ہے، میں ہرگز نہ اجازت دے سکتا ہوں اور نہ مشورہ دوں گا کہ میرے نقص کی لوگ پیروی کریں''

مکتوب گرامی کے اس اقتباس سے معلوم ہوگا کہ وہ نوجوانوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے ناقص بنانے کے مجرم نہیں تھے بلکہ معائب وکوتاہیوں پر بھی توجہ دلاتے اور سخت گرفت کرتے تھے، لیکن ہمت افزائی کی راہ سے مستعد طلبہ سے جو کام بن پڑتا، ضرور لیتے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اس کے ساتھ وسیع النظر، وسیع الحوصلہ اس درجہ تھے کہ غیر اسلامی علوم سے بھی استفادہ کرنے پر زور دیتے، بلکہ بڑی حد تک اصرار فرماتے۔ ایک مکتوب گرامی میں دریافت فرمایا کہ ''تم نے اب تک کیا پڑھا ہے؟'' تفصیل تحریر کی گئی تو جواباً لکھا کہ:

''لاہور یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کے متعلق یہی عرض کروں گا کہ آئندہ اپنے تعلق کو کبھی ظاہر نہ کیجئے گا، بجائے احترام میرا احساس یہ ہے کہ علم کے دامن پر ان امتحانوں کی طرف انتساب شاید کوئی داغ ہی بن جاتا، یہ خود سوچئے ذرا ان تعبیروں کو، کوئی کہے مولوی فاضل مولانا انور شاہ یا منشی مولانا اشرف علی تھانویؒ، دل تو دل، کان بھی شاید اس کو برداشت نہیں کرسکتے، البتہ انگریزی زبان کے سیکھنے، پڑھنے میں آپ کا مبارک ومسعود وقت جو صرف ہوا، مجھے تو اسلام اور مسلمانانِ ہند کے لیے یہ فال نیک نظر آرہا ہے، اور مجھے امید ہے کہ انگریزی میں جس حد تک ممکن ہو آئندہ بھی اپنی قابلیت کو بڑھاتے ہی چلے جائیں گے۔''

انگریزی حاصل کرنے پر ان کو اس درجہ اصرار تھا کہ اپنے اکثر مکتوب میں اس طرف شدت سے متوجہ فرماتے، ایک دوسرے سرفراز نامہ میں لکھا کہ:

''یاد پڑتا ہے کہ انگریزی میٹرک تک آپ نے پڑھ لی تھی، پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ جو شدبد بھی انگریزی میں میسر ہوچکی ہے، بجائے گھٹانے کے اس کو بڑھائیے، حال ہی میں ''الفرقان'' میں مولانا نعمانی نے آپ کے والد ماجد قبلہ قدس سرہ کا خیال نقل کیا ہے کہ ''اسلام کی خدمت اس زمانہ میں انگریزی دانی کے بغیر مشکل ہے'' خاکسار نے بھی ''نظام تعلیم وتربیت'' میں شاہ صاحبؒ کا کوئی قول اس سلسلہ میں نقل کیا ہے، سچ تو یہ ہے کہ انگریزی کے ساتھ ساتھ اب تو ہندی بھاشا بلکہ سنسکرت تک کی ضرورت اسلامی دین کے خدام کو پیش آگئی''۔

ان غیر اسلامی علوم سے استفادہ کرنے کا مشورہ ضرور دیتے، لیکن اس کے ساتھ ہی خالص اسلامی زندگی کو اختیار کرنے اور اسلامی عادات واخلاق کو شعار بنانے پر زور دیا جاتا۔ اپنے ایک مکتوب میں اسی عاجز کو تحریر فرمایا کہ:

''آپ اپنا کام کئے جایئے، کام سے مراد یہ ہے کہ تحصیل علم کی عمر جب تک ہو، اس کو تحصیل میں بسر کرنا چاہیے۔ علوم کے ساتھ ساتھ اپنی اسلامی زبانیں عربی وفارسی، اردو کے ساتھ یورپ کی کسی ایک زبان میں بھی کم از کم اتنی لیاقت حاصل ہو جائے کہ جو کتابیں عام معلومات کے متعلق اس زبان میں ہوں ان تک رسائی آسان ہو، اور آخری بات اس سلسلہ میں یعنی دینی خدمت کی راہ میں یہ ہے کہ جس حد تک تقویٰ واخلاص سے قریب تر رہنا ممکن ہو اس کی کوشش سے کبھی غفلت نہ کرنی چاہیے، **واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ، ان تتقوا اللہ یجعل اللہ لکم فرقانا**''۔

غیر اسلامی زبانوں کو سیکھنے کا یہ اصرار بلیغ دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ وہ خالص علم نواز انسان تھے کہ گم شدہ حکمت کو تلاش کرنے کے لیے ان کی جستجو کا دائرہ بے حد وسیع تھا، یہاں تک کہ اختلاف مذہب ومشرب کی دیواریں بھی اس استفادہ کی راہ میں حائل نہ ہوتیں، اس کے ساتھ مولانا مرحوم کی تعلیم وتربیت کا ایک مرکزی جوہر ان کی اپنے متعلقین کے ساتھ بے پناہ شفقت واخلاص ہے، نیاز مندوں کو ماحول کی ناسازگاری سے وحشت اور مایوس کن حالات سے شکست کھانے کے بجائے پامردی کے ساتھ مقابلہ کی دعوت وترغیب فرماتے۔ راقم الحروف نے اپنے ایک عریضہ میں گردوپیش کے ہمت شکن حوادث کا ذکر کیا تو ان کا قلب مبارک بے چین ہو گیا اور اپنے خط میں عزم وحوصلہ کو بروئے کار لانے کی یوں ترغیب دی، لکھا کہ:

''یوں تو اسلام پر غربت کے بہت سے دور آچکے ہیں، لیکن ناآشنائی جو غربت کا صحیح ترجمہ ہے آج اسلام کے متعلق جتنی بڑھتی چلی جارہی ہے اس کا اقتضاء یہ ہے کہ ہر چیز سے کنارہ کش ہو کر اپنی ساری توانائیوں کو اسلام کے روشناس کرانے میں لگا دیا جائے، خواہ اس راہ میں کچھ بھی پیش آئے، لیکن قدم پیچھے نہ ہٹیں۔ آپ کے قلب مبارک میں قلمی کاروبار کا جو جذبہ پیدا ہوا ہے میرا خیال تو یہی ہے کہ وہ نفسیاتی نہیں بلکہ الہامی وملکوتی ہے، کھٹکا اگر کچھ ہے تو اسی کا کہ نوعمری کی وجہ سے کہیں آپ کے قدم میں زمانہ کے حالات لغزش نہ پیدا کردیں''۔

اس کے بعد مولانا نے اسلامی تاریخ کی ایک طویل داستاں، محمد رسول اللہ ﷺ سے لے کر عام انسانوں کی مشکلات ومصائب کے دل دوز واقعات اور ہمت شکن حوادث کے مقابل ارباب عزیمت کے استقلال کے حیرت افزا قصے سنا کر آخر میں تحریر فرمایا کہ:

''اس کے بعد آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو ان حالات سے نہیں، بلکہ حالات سے پیدا ہونے والے احساسات سے محفوظ کر لینے کی صلاحیت اگر پیدا کر چکے ہیں تو پھر کام کا میدان تو حد سے زیادہ وسیع ہے، ہم لوگ اب جو دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں یہی کہتے ہوئے رخصت ہو رہے ہیں کہ ؎

''بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے''

غرضیکہ حضرت مولانا گیلانی کی موت اس کارگاہ حوادث کا ایک معمولی حادثہ و واقعہ نہیں بلکہ ان کی موت علم وادب، فضل و کمال، تحقیق و تدبر کی موت ہے، ایک دبستان علم وفکر کا ختم ہونا اور ایک مکتبۂ تعلیم و تربیت کا انہدام ہے، ایک زبردست مربی، مخلص بزرگ اور محبت وشفقت کا پیکر اٹھ گیا، علوم کا خزانہ خاک میں مل گیا، چالیس سال سے جس کے قلم کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی وہ علم پاش اور گوہر نواز قلم ٹوٹ گیا۔ میں اپنے متعلق تو کیا عرض کروں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ؎

آتش اندر آشیاں بے رحم صیاداں زدند
در گلستاں مشتے خارے داشتم نہ گزاشتند

کاش کہ مکتبۂ برہان دہلی مرحوم کے ان مکتوبات ہی کی اشاعت کا سر و سامان کرے جو تحقیقات علمیہ سے مالا مال اور سالہا سال کے تعلیمی و تربیتی تجربہ کے آئینہ دار ہیں، وقت کی یہ سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ہندوستان کے علمی حلقے اس طرف توجہ کریں۔

جانے والے پر خدا کی رحمت سایہ فگن ہو اور اس نجیب و کریم پر بے پایاں کرم والتفات کی ضیا پاشیاں ہوں ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

✷✷✷

سورۂ اخلاص: ایک تہائی قرآن

مفہوم ومراد

مفتی شکیل منصور القاسمی (امریکہ)

قرآن کریم کائنات کی عظیم ترین دولت اور نعمت ہے۔زمین وآسمان میں خدا کے نزدیک سب سے محبوب چیز قرآن کریم ہے۔اس کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔اس میں دنیا وآخرت کی بھلائی اور ہدایت ہے۔اس کا پڑھنا بھی عبادت ہے،سننا بھی عبادت،اور دیکھنا بھی عبادت۔

یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کا عرق وخلاصہ ہے۔پچھلی امتوں کو بغرض اصلاح جو مضامین مختلف زمانوں میں دیئے گئے وہ سب قرآن کریم میں جمع کردیئے گئے۔مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بقول:

(۱)ذاتِ باری میں غور وفکر۔(۲)صفات باری میں غور وفکر۔(۳)افعال باری میں غور وفکر۔(۴) انجام عمل میں غور وفکر۔(۵)موت اور اس کے مابعد کے حالات میں غور وفکر۔

پانچوں انواع تفکر وتدبر قرآن میں بیان کردیئے گئے ہیں،جو اگلی امتوں کو مختلف اوقات میں بتائے گئے تھے۔

اسی لئے تلاوت قرآن کی مختلف شکلوں میں ترغیب دی گئی ہے۔اسی وجہ سے مخصوص سورتوں اور آیتوں کے فضائل بھی الگ الگ بیان کئے گئے ہیں۔مثلاً ایک روایت میں قرآن کریم کی آیتوں کے پڑھنے اور سیکھنے کو موٹی،تازی اور اونچی کوہان والی اونٹنیوں سے بہتر قرار دیا گیا (مشکوۃ،حدیث نمبر ۲۱۱۰) اور دوسری حدیث میں نماز میں تین آیتیں پڑھنے کو جاندار گابھن اونٹنیوں سے بہتر قرار دیا (مشکوۃ،حدیث نمبر ۲۱۱۱) قرآن میں مہارت حاصل کرنے والے کو فرشتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی (ایضا ۲۱۱۲) قرآن کے ایک ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں دی گئیں۔(مشکوۃ،حدیث نمبر ۲۱۷۳) قرآن سے تعلق رکھنے والے مومن کو ترنج لیموں کے ساتھ اور قرآن نہ پڑھنے والے منافق کو اندرائن سے تشبیہ دی گئی۔(مشکوۃ،حدیث نمبر ۲۱۱۴)۔

پھر تمثیلی پیرایۂ بیان میں قرآن کو بروز قیامت جھگڑنے والا بتایا گیا ہے،جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑ کر داخل جنت کرادے گا۔(مشکوۃ،حدیث نمبر 2120) وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ بے شمار روایتوں میں تلاوت قرآن کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، لیکن ساتھ ہی بعض آیتوں اور سورتوں کی فضیلت اور امتیاز زیادہ بتایا گیا ہے، تاکہ بطور وظیفہ لوگ انہیں اختیار کریں۔ مثلاً آیت الکرسی، حشر کی تین آیتیں، اور سورۂ اخلاص کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ان کا درجہ قرآن میں ایسا ہے، جیسے اسمائے الٰہیہ میں ''اسم اعظم'' کا، کیوں کہ ان میں صفات الٰہیہ میں غور وفکر کی بات ہے۔ سورۂ فاتحہ وبقرہ میں عبادت میں غور وفکر کی بات ہے، اس لئے ان کو مقدم رکھا گیا اور قرآن کی کوہان قرار دیا گیا۔ سورۂ یاسین کو قرآن کا دل اس لئے کہا گیا، کیوں کہ اس میں انواع تدبر کی پانچوں نوعیں جمع ہیں۔

سب سے زیادہ فضائل سورۂ اخلاص کے آئے ہیں۔ بعض اہل علم کی تحقیق کے مطابق اس کے فضائل کی روایتیں تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں۔

اہمیت کے پیش نظر ہم ذیل کی سطروں میں ایک ترتیب سے ان تمام روایتوں کا احاطہ کررہے ہیں، پھر اقوال علماء کی روشنی میں ان کی توجیہات بھی پیش کی جائیں گی۔

۱-**ابوسعید خدری** :عن أبي سعيد الخدري أن رجلا سمع رجلا يقرأ (من السحر) قل هو الله أحد (كلها) يرددها - لايزيد عليها - فلما أصبح جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذالك له - وكان الرجل يتقالها - فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذى نفسي بيده إنها لتعدل ثلث القرآن. (بخاری 5013۔موطا مالک صفحہ 142۔نسائی 2/171۔۔سنن ابی دائود 1/230۔۔سنن بیھقی 3/21۔۔شعب الایمان 1/376۔شرح السنہ 4/274۔

۲-**وعنه** أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ايعجز أحدكم أن يقرأ ثلث القرآن في ليلة !قال فشق ذالك على أصحابه فقالوا من يطيق ذالك؟قال يقرا قل هو الله أحد فهى ثلث القرآن-(بخاری 9/59۔۔مسند احمد 3/8۔۔شعب الایمان 1/337۔۔

۳-**ابو هريرة**:عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم احشدوا فإني سأ قرا عليكم ثلث القرآن. فحشد من حشد ثم خرج فقرأ قل هو الله أحد (الله الصمد. حتى ختمها) ثم دخل فقال بعضنا لبعض هذا خبر جاءه من السماء فذكر الذي أدخله ثم خرج (إلينا رسول الله) فقال قدقلت لكم إني ساقرء عليكم ثلث القرآن وأنها تعدل ثلث القرآن -) صحيح مسلم 6/94۔مسند احمد 2/429۔۔جامع ترمذی 5/167۔۔مسند اسحاق بن راھویہ 37/(4

۴۔**أبودرداء** :عن أبي الدرداء ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ايعجز أحدكم أن يقرأ ثلث القرآن في ليلة؟ قيل يارسول الله ومن يطيق ذالك؟قال اقرؤا قل هو الله أحد (تعدل ثلث القرآن).إن الله عزوجل جزء القرآن ثلاثة أجزاء فجعل قل هو الله أحد جزءا من أجزاء القرآن.

(مسند احمد 5/195۔مسلم 6/94۔شعب الایمان 1/377۔دارمی 2/460۔)

۵۔**ابوایوب**:عن أبي أيوب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ايعجز أحدكم أن يقرأ ثلث القرآن في ليلة؟ فإنه من قرء قل هو الله أحد الله الصمد فی ليلة فقد قرأ ليلتئذ ثلث القرآن.
(مسند احمد 5/418۔۔ترمذی 5/167۔نسائی 2/171۔۔شعب الایمان 1/378۔حلیہ 2/117)

۶۔**عبداللّٰہ بن مسعود**:عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم ايعجز أحدكم أن يقرأ كل ليلة ثلث القرآن؟ قالوا ومن يطيق ذالك؟ قال بلى !قل هو الله أحد.)ابن السنی 255۔الطبرانی 10/256۔حلیہ 2/117۔۔7/168)

۷۔**ابومسعود بدری**:عن أبي مسعود البدري أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ايغلب أحدكم أن يقرأ ثلث القرآن كل ليلة؟ قلنا ومن يطيق ذالك يا رسول الله؟ قال قل هو الله أحد ثلث القرآن. (مسند احمد 4/122۔ابن ماجہ 2/1245۔مسند طیالسی 86۔تاریخ البخاری 137/طبرانی 17/254۔)

۸۔**ابی بن کعب**:عن أبي بن كعب قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم من قرأ ب قل هو الله أحد فكانما قرأ ثلث القرآن۔(مسند احمد 5/141۔الیوم واللیلہ نسائی باب نمبر 27)

۹۔**ام کلثوم بنت عقبہ**:عن أم كلثوم بنت عقبة أن رسول الله صلي الله عليه وسلم سئل عن قل هو الله أحد فقال ثلث القرآن أو تعدله.(مسند احمد 6/403۔معجم کبیر طبرانی 25/74۔اوسط 2/242۔شعب الایمان 1/378۔)

۱۰۔**عبدالرحمن بن عوف**:عن عبدالرحمن بن عوف أن رسول الله سئل عن قل هو الله أحد فقال ثلث القرآن أو تعدله. (سنن الدارمی 2/461۔)

۱۱۔**عبد اللّٰہ بن عمر**:عن بن عمر قال ايعجز أحدكم أن يصلى في ليلة ولو بثلث القرآن؟ قال إقرأ قل هو الله أحد فإنها تعدل ثلث القرآن. موقوف في حكم المرفوع.(حلیہ ابی نعیم 304۔/1۔معجم کبیر طبرانی 12/405۔دلائل النبوہ 6/36۔۔)

۱۲۔**عمرو بن العاص**:عن عبدالله بن عمرو بن العاص ان ابا ايوب الانصاری كان في مجلس وهو يقول الا يستطيع أحدكم أن يقوم بثلث القرآن كل ليلة؟ قالوا وهل نستطيع ذالك ؟قال فإن قل هو الله أحد ثلث القرآن. قال فجاء النبي صلى الله عليه وسلم وهو يسمع ابا ايوب فقال رسول الله صدق أبو أيوب. (مستدرک حاکم 3/360۔۔مسند احمد 2/173۔)

۱۳۔**انس بن مالک**:عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم قل هو الله أحد تعدل ثلث القرآن.(ابن ماجہ 2/1244۔ترمذی 5/166۔العقیلی 4/360۔۔)

(۱۴) **معاذبن جبل**: عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم قل هو الله أحد تعدل ثلث القرآن -(معجم كبير طبرانی 20/112۔مجمع الزوائد 7/148)

۱۵۔**سعد بن ابی وقاص**: عن سعد بن أبي وقاص مرفوعا من قرأ قل هو الله أحد فكانما قرأ ثلث القرآن. (شعب الايمان 1/378۔معجم صغير 1/61۔

۱۶۔**جابر**: عن جابر قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم قل هو الله أحد تعدل ثلث القرآن. (مجمع الزوائد 7/148۔مسند بزار 3/85)

۱۷۔**ابن عباس**: عن ابن عباس مرفوعا قل هو الله أحد ثلث القرآن. (ترمذي 5/166۔۔شعب الايمان 1/374 تفسير ثعلبی 13/135)

۱۸۔**نعمان بن بشير**: عن النعمان بن بشير مرفوعا من قرأ قل هو الله أحد مرة فكانما قرأ ثلث القرآن. (فضائل قل هو الله خلال 7۔)

۱۹۔**ابو امامه باهلی**: عن أبي امامة الباهلي قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم ايعجز أحدكم أن ياوى إلى فراشه حتى يختم القرآن. قيل يارسول الله وكيف يختم القرآن؟ قال يقرأ قل هو الله أحد ثلث مرات -(1ذكر اخبار اصبهان 1/334)

۲۰۔**رجاء غنوی**: عن رجاء الغنوي يقول قال رسول الله صلي الله عليه وسلم من قرأ قل هو الله أحد ثلث مرات فكأنما ختم القرآن كله-(العقيلی 1/125)

۲۱۔**عثمان بن عفان**: عن عثمان بن عفان في رقية النبي وقوله له فإنها تعدل ثلث القرآن. (كنز العمال 4/18۔)

۲۲۔**كعب بن عجره**: عن كعب بن عجرة أنها تعدل بثلث القرآن -(الدرر 6/413۔)

۲۳۔**رافع بن خديج**: عن رافع بن خديج أنها تعدل بثلث القرآن۔(الدر 6/246)

مراسيل

۲۴۔ثابت بنانی....يعدل ثلث القرآن۔(موسوعه فضائل سور 2/487۔)

۲۵۔ابراهيم نخعي يعدل ثلث القرآن -(موسوعه فضائل سور 2/487)

۲۶۔حميد بن عبد الرحمن بن عوف ۔۔يعدل ثلث القرآن -(موسوعه فضائل سور 2/487۔)

۲۷۔ابن شهاب...يعدل ثلث القرآن -(ايضا)

۲۸۔ابن ابی ليلی.....قل هو الله أحد يعدل ثلث القرآن -(ايضا)

۲۹۔عمرو بن میمون...یعدل ثلث القرآن۔(ایضا)
۳۰۔موسوعہ فضائل سور 2/488۔
۳۱۔عطاء...یعدل ثلث القرآن.(ایضا)
۳۲۔عاصم...یعدل ثلث القرآن.(ایضا)
۳۳۔اسحاق بن ابی فروہ....یعدل ثلث القرآن.(فضائل قل ھو اللہ خلال)

سورۂ اخلاص کے ثلث قرآن کے مساوی ہونے کے بارے میں مذکورہ روایات آپ نے دیکھ لیں۔صرف حدیث نمبر 19 اور 20 کے رواۃ میں ائمہ جرح وتعدیل کا کلام ہے۔انیسویں حدیث کی سند میں ''سعید بن ملک حرانی'' کو امام ذہبی نے کذب سے موسوم کیا ہے۔جبکہ دارقطنی نے انہیں نا قابل احتجاج مانا ہے(اللسان 3/37 الضعفاء 1/263)۔

بیسویں نمبر کی حدیث کی سند میں ''حارث غسانی'' ہیں۔ابوحاتم ان کو متروک الحدیث، امام بخاری ''فیہ نظر'' اور عقیلی **غیر معتمد** کہتے ہیں۔دیکھئے لسان المیزان 1/148۔ضعفاء العقیلی 1/125۔)

علاوہ ازیں ''رجاء غنوی'' کا صحابی ہونا بھی متحقق نہیں۔

ثلث قرآن ہونے کا مطلب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ قل ھو اللہ احد کس اعتبار سے ثلث قرآن ہے؟؟

حضرات محدثین کرام نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں:

ابوالعباس بن سریج فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تین قسمیں ہیں:

1۔ایک ثلث تو اس میں احکام کا ہے۔

2۔دوسرا ثلث وعدو وعید کا ہے۔

3۔تیسرا ثلث اسماء وصفات باری پر مشتمل ہے۔(مجموع فتاوی ابن تیمیہ 17/103۔)

سورۂ اخلاص اس تیسری قسم پر مشتمل ہے، اس لئے اس کو ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا گیا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اس توجیہ کو بہتر قرار دیا ہے۔

علامہ ابن الجوزی کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی کی معرفت تین طرح کی ہے

1۔ذات باری کی معرفت۔2۔اسماء وصفات باری کی معرفت۔3۔افعال باری کی معرفت۔

سورۂ اخلاص ذات باری پر مشتمل ہے۔اسی لئے اس کو ثلث قرآن قرار دیا(ایضا)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے تین مہمات ہیں:

۱۔اللہ کی معرفت ۔ ۲۔آخرت کی معرفت ۔ ۳۔صراط مستقیم کی معرفت ۔
اصل معرفت یہی تین ہیں، باقی توابع ہیں ۔سورۂ اخلاص ان میں سے ایک یعنی اللہ کی معرفت پر مشتمل ہے، اس لئے اس کو ثلث قرآن قرار دیا گیا۔(ایضاً صفحہ 114۔)

امام مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم تین مضامین پر مشتمل ہے:
1۔قصص ۔ ۲۔احکام ۔ ۳۔اللہ کے اوصاف ۔
سورۂ اخلاص میں تیسرا مضمون ہے، اس لئے اس کو ثلث قرآن قرار دیا گیا۔(ابن تیمیہ 122/17۔)

بعض علماء کی رائے ہے کہ اس کا ثواب ثلث قرآن کے برابر ہے، جبکہ بعض دیگر کا خیال ہے کہ یہ فضیلت صاحب واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔

کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ جس نے اس سورت کے مضامین یعنی توحید اور اذعان بالخالق پر عمل کیا یعنی اللہ پر ایمان رکھا، وہ حصول مقصد میں اس شخص کی طرح ہے جس نے ثلث قرآن پڑھا۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ فضیلت پر یقین رکھنا چاہئے اور اپنی رائے سے کوئی توجیہ نہیں بیان کرنی چاہئے کہ سورہ اخلاص ثلث قرآن کے برابر کیوں اور کیسے ہے؟ یعنی یہ متشابہات میں سے ہے۔جس کی کھود کرید کرنا منع ہے۔(فتح الملہم 193/5 اوجز المسالک 301/4۔سندھی علی النسائی حدیث نمبر 993۔)

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تشریح ثابت نہیں کہ سورۂ اخلاص کے ثلث قرآن ہونے سے کیا مراد ہے؟؟ اور یہ کس اعتبار سے ثلث قرآن ہے؟؟ ثواب میں برابر ہونا علماء کی توجیہات متعددہ میں سے ایک توجیہ ہے۔جبکہ راجح توجیہ یہ ہے کہ مضامین قرآن کے ایک ثلث کے برابر ہے۔اگر ثواب والی توجیہ ہی اختیار کی جائے تو پھر اس میں مختلف احتمالات ہیں جو درج ذیل ہیں:

امام العصر حافظ الحدیث علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ ثواب کی دو قسمیں ہیں: ایک ثواب اصلی اور دوسرا ثواب تضعیفی وفضلی ۔سورۂ اخلاص کی تلاوت جو شخص کرتا ہے، اس کو اس کا اجر اصلی بھی ملتا ہے اور اس اجر اصلی کو بڑھا چڑھا کر اتنا کر دیا جاتا ہے کہ ثلث قرآن کے ثواب اصلی کے مساوی ہوجاتا ہے۔

یعنی اس کا اجر اصلی اور اجر تضعیفی مل کر قرآن مجید کے ثلث کے اجر اصلی کے ثلث کے مساوی ہوجاتا ہے۔یہ مطلب نہیں کہ اس کا اجر اصلی ثلث قرآن کے اجر اصلی کے برابر ہوتا ہے۔یا اس کا اجر تضعیفی ثلث قرآن کے اجر تضعیفی کے برابر ہے۔یا اس کا اجر اصلی اور تضعیفی مل کر ثلث قرآن کے اجر اصلی اور تضعیفی کے

برابر ہے۔(فیض الباری 482/5۔فتح الباری 246/11۔۔عمدہ 45/20)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی تقریبا یہی فرماتے ہیں۔انہوں نے تقریب فہم کے لئے محسوسات میں اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس مسکن، طعام، لباس اور کچھ نقدی موجود ہے، جس کی مالیت ایک لاکھ روپے کے برابر ہے، دوسرے شخص کے پاس مسکن، طعام اور لباس کچھ نہیں ہے۔البتہ ایک لاکھ روپے کی نقدی موجود ہے۔اب دوسرا شخص باوجود یکہ اس کے پاس پہلے شخص کے کل سامان کی قیمت کے برابر نقدی موجود ہے ان چیزوں کا محتاج ہے جو پہلے شخص کے پاس ہیں اور پہلے شخص کے پاس ضرورت کی ہر چیز موجود ہے وہ دوسرے کا محتاج نہیں۔اسی طرح سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے والے کو اجر وثواب کی انواع مختلفہ میں سے صرف ایک نوع حاصل ہے۔وہ بقیہ قرآن کی تلاوت پر ملنے والے اجر وثواب کی انواع مختلفہ کا محتاج ہے اور جو پورا قرآن بالترتیب پڑھتا ہے، اسے تمام انواع حاصل ہیں۔وہ کسی کا محتاج نہیں (فتاوی ابن تیمیہ 138/17)

اگر مثلیت کو ثواب ہی پر محمول کیا جائے پھر بھی کسی حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ **قل ھو اللہ احد** قرآن کا ثلث مطلق ہے یا ثلث معین؟؟۔اگر کسی دلیل سے اس کا ثلث مطلق ہونا ثابت ہو جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تین بار پڑھ لینے سے تین ثلث کا ثواب مل گیا اور تین ثلث کا مجموعہ پورا قرآن ہوا۔مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔بلکہ احتمال ہے کہ وہ خاص ثلث مراد و متعین ہو جو توحید کے مضمون پر مشتمل ہے، لہٰذا اگر کسی نے اس کو تین بار پڑھا تو صرف یہ لازم آیا کہ گویا اس نے حصۂ توحید کو تین بار پڑھ لیا۔تو ایک حصہ کو چند بار پڑھ لینے سے کسی طرح لازم نہیں آتا کہ گویا پورا قرآن پڑھ لیا۔جیسے کسی نے ایک پارہ تیس مرتبہ پڑھ لیا تو اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ اس نے سارا قرآن پڑھ لیا، اسی لئے حضرت امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہو یہ فرماتے ہیں کہ تین بار قل ھو اللہ پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب تو دور رہا اگر کوئی دو سو بار بھی پڑھ لے پھر بھی پورے قرآن کا ثواب نہیں مل سکتا!

لا أن قرأتها ثلث مرات کقراءة القرآن. فإن هذا لا یستقیم. ولو قرأها ماتی مرة. (فتح الملهم حدیث نمبر 1856۔جلد 5۔صفحه 193)۔

حکیم الامت مرشد تھانوی قدس سرہٗ شاہ اسحاق صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

کسی بھی چیز کے تین ثلث ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ ایک چیز کے علیحدہ علیحدہ تین ٹکڑے کر لئے جائیں۔ایسے تین ثلث کو اگر ملا دیا جائے تو اس سے وہ شے پوری ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی ثلث تین دفعہ مکرر ہو۔مثلاً کوئی شخص ابتدائی دس پاروں کو تین دفعہ

پڑھے تو یہ تو کہا جائے گا کہ اس نے قرآن کے ایک ثلث کو تین بار پڑھ لیا مگر یہ نہ کہا جائے گا کہ پورا قرآن شریف پڑھا۔ (ملفوظات حکیم الامت صفحہ 98۔ملفوظ نمبر 104۔۔صفحہ 308۔۔300

اسی طرح اس جگہ دوسرا یہ بھی احتمال ہے کہ قرآن کریم کے مقاصد تین ہیں: توحید رسالت۔ آخرت۔

تو توحید چوں کہ تین مقاصد میں سے ایک ہے، اس لئے وہ ثلث قرآن ہے۔ اور اخلاص کا پڑھنا گویا توحید کی کل آیتوں کو پڑھنا ہے، کیوں کہ اس میں صرف توحید کا بیان ہے۔ تین مرتبہ پڑھ لینے سے توحید کا تکرار تین مرتبہ سمجھا جائے گا۔ باقی دو مقاصد و مضامین کا ثواب سورۂ اخلاص پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ (42 کشف الباری۔ فضائل القرآن صفحہ 78۔79)

خلاصۂ کلام

حاصل یہ ہے کہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھ لینے سے کامل قرآن پڑھ لینے کا ثواب ملنا صحیح، معتمد اور مستند حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ صرف احتمال ہے۔ اور محض احتمال کی بنیاد پر بقیہ قرآن سے صرف نظر کرنا اور بالترتیب تلاوت نہ کرنا کسی بھی طرح معقول نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بیان فضیلت سے اس سورت کا مہتم بالشان ہونا بیان کرنا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورت تین بار پڑھنا پورے قرآن کے برابر ہو جائے گا اور پورے قرآن کی تلاوت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

جیسے سورۂ فاتحہ کی اہمیت بتانے کے لئے اسے بیس پارہ قرآن کے برابر کہا گیا:

فاتحةُ الكتابِ تَعدِلُ ثُلُثَيِ القرآنِ

الراوي: عبدالله بن عباس - المحدث: ابن الملقن - المصدر: الإعلام - الصفحة أو الرقم: 222/3 خلاصة حكم المحدث: إسناده ضعيف۔

تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس کا ڈیڑھ حصہ پڑھ لینا پورے قرآن پڑھ لینے کے برابر ہے!

اسی طرح والدین کی خدمت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے حدیث میں اس پر جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے

1۔ (ص: 11) الرُّخْصَةُ فِي التَّخَلُّفِ لِمَنْ لَهُ وَالِدَةٌ

3104 أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْحَكَمِ الْوَرَّاقُ قَالَ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ طَلْحَةَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ السَّلَمِيِّ أَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِيرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا (سنن النسائی، کتاب الجهاد)

2۔15110 حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَدْتُ الْغَزْوَ وَجِئْتُكَ أَسْتَشِيرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ الْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا ثُمَّ الثَّانِيَةَ ثُمَّ الثَّالِثَةَ فِي مَقَاعِدَ شَتَّى كَمِثْلِ هَذَا الْقَوْلِ۔ مسند المكيين.

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ والدین کی خدمت جہاد کے قائم مقام ہو جائے گی اور فریضۂ جہاد ادا کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور علماء وصلحاء امت کا تعامل یہی چلا آرہا ہے کہ وہ بالترتیب پورے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ اور اسی کی تاکید کرتے رہے۔ کسی نے بھی سورۂ اخلاص کی قراءت پر اکتفا کرتے ہوئے بالترتیب تلاوت کو ترک نہیں کیا(احسن الفتاوی 11/9۔)

امام شافعی رحمہ اللہ دن میں کئی ختم قرآن بالترتیب فرمایا کرتے۔ امام اعظم سراج الامہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا جس جگہ انتقال ہوا، صرف وہاں سات ہزار مرتبہ انہوں قرآن کریم ختم کیا تھا۔ باقی جگہوں میں کی جانے تکمیلات علیحدہ ہیں۔ (عقود الجمان 270۔)

ان کا معمول تھا کہ مہینہ میں تیس ختم قرآن فرمایا کرتے تھے۔ (ابوحنیفہ النعمان صفحہ 83۔)

قابل غور امر ہے کہ اگر سورۂ اخلاص کے تین بار پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب مل جاتا تو اتنی زیادہ ریاضت اور محنت شاقہ کی کیا ضرورت تھی؟۔

حصول ثواب کے بارے میں شریعت کا مسلمہ قاعدہ اور اصول یہی ہے:

من قرأ حرفا من كتاب الله فله حسنة والحسنة بعشر امثالها. ترمذي. رقم الحديث ۲۹۱۰.

(ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے۔)

اس ضابطہ سے عدول کی کوئی شرعی وجہ نہیں۔ اگر دس نیکی سے زیادہ ثواب ملتا تو آیت الکرسی پڑھنے سے ملتا، کیوں کہ اسے قران کا سب بلند حصہ کہا گیا ہے۔ سورۂ اخلاص کی فضیلت پہ علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ حسن بن محمد الخلال متوفی ۴۳۹ھ کی فضائل قل ھو اللہ احد، علامہ سیوطی کی فضائل القدر والاخلاص، یوسف بن عبداللہ کی ''اربعین حدیثا فی الاخلاص'' اور شیخ محمد بن رزق بن طرھونی کی موسوعۃ فضائل سور وآیات القرآن خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

***

اپنے زمانے کا سکندر ہی رہا

فاروق اعظم عاجز قاسمی

دنیا بہت بڑی ہے، اس پر بسنے والی بے شمار مخلوقات ہیں، ان میں سب سے افضل واشرف حضرتِ انسان ہیں۔ انسانوں میں بھی تفاوت ہے، کوئی امیر ہے تو کوئی غریب، کوئی شریف ہے تو کوئی رذیل، اسی طرح کوئی جاہل ہے تو کوئی عالم لیکن دولت وثروت اور شرافت وعلم جیسی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے باوجود ایک شخص کے اندر کشش اور محبوبیت نہیں تو اس کے نقوش چند دنوں بعد ہی مٹ جاتے ہیں اور بسا اوقات گمنامی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس ایک انسان غریب ومفلوک الحال ہونے کے باوجود علم وعمل اور اخلاق سے آراستہ ہو، شرافت بھی اس کا وصف ہو، اخلاص بھی اس کے ہم قدم ہو اور انکساری و فروتنی بھی اس کی علامت ہو تو وہ لوگوں کا منظورِ نظر اور محبوب بن جاتا ہے۔ اللہ کی تمام مخلوقات اس سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ انسان تو انسان فرشتے بھی جھک کر اسے سلام کرتے ہیں۔ بظاہر وہ دنیا والوں کی نگاہوں سے اوجھل بھی ہو جائے تب بھی اس کے ہمراہ گزرے ہوئے حسین لمحات، اس کی یادیں، باتیں، ملاقاتیں، اس کا رہن سہن، اس کا اندازِ گفتگو، اس کی خاکساری، اس کا حسنِ سلوک وخندہ روئی، اس کا خلوص اور اس کی محبت کے جو گہرے نقوش لوگوں کے دلوں پر ثبت ہوتے ہیں وہ مٹائے نہیں مٹتے۔

کچھ ان ہی اوصاف کی خمیر سے بنے ہمارے مشفق ومحترم مفتی کفیل الرحمن نشاطؔ مرحوم تھے۔ مفتی صاحب کا نسبی تعلق دیوبند کے عثمانی خانوادے سے تھا۔ مفتی مرحوم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے برادرِ بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے مفتیٔ اول مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ (م: ۱۹۲۸ء) کے پوتے ہیں۔ معروف افسانہ نگار انجم عثمانی ان ہی کے برادرِ خرد ہیں۔ کئی پشتوں سے ان کا گھرانہ علمی رہا ہے بطورِ خاص علمِ فقہ ان کے گھر کی چیز رہی ہے۔ شرافت ونجابت بھی انھیں ورثے میں ملی تھی اور ادب وشاعری نشاطؔ مرحوم کی خودمرنجاں مرنج طبیعت کا ثمرہ تھی۔

مفتی کفیل الرحمن مرحوم کی معلومات ان کے معمولات میں اس طرح ضم ہو گئی تھیں کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ علم کی وجہ سے ان کا ہر عمل پختہ اور کردار روشن تھا یا ان کے عمل وکردار کی غازیت ان کے صاحبِ علم وکمال کی علامت تھی۔ جن چیزوں کی ترجمانی ان کی زبان کرتی وہی ان کے دل کی آواز ہوتی اور جو وہ کہتے وہی کرتے دکھائی دیتے۔ تیس برسوں تک دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درسگاہ میں درس و

تدریس کی خدمات بھی انجام دیتے رہے اور اپنے علم وتفقہ سے مسندِ افتا کو بھی زینت بخشتے رہے اور تا دمِ واپسیں تصنیف وتالیف کو بھی اپنا مشغلۂ خاص بنائے رکھا لیکن ان سب میں ان کے جذبے کا خلوص، نیت کی پاکیزگی، دنیا اور دنیا کی الجھنوں سے کوسوں دور، جھوٹ، غیبت، تبصرہ بازی اور دوسروں کی دل آزاری سے ہمیشہ اپنا دامن بچائے رکھا۔ ہاں وہ دین وشریعت کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت کے روادار نہ تھے اور نہ ہی دین اسلام کے خلاف ادنیٰ سی ادنیٰ بات انھیں قابلِ گوارا تھی۔ اللہ نے ایسی شگفتہ مزاجی عطا کی تھی کہ سنگ دل سے سنگ دل بھی بیک لمحہ موم ہوجائے۔ خردوں پر اس قدر شفقت فرماتے کہ بسا اوقات غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا۔ چھوٹوں کی ہمت افزائی کے لیے وہ دل وجان سے ہمہ وقت آمادہ رہتے۔ اصول کے ایسے پابند کہ آج ڈھونڈے سے کوئی مثال نہیں ملتی۔ وقت پر کھانا، وقت پر سونا اور وقت ہی پر اپنے تمام امور انجام دینا ان کا وطیرہ تھا۔ مفتی صاحب کی روزمرہ زندگی کے تین مخصوص اسٹیشن تھے۔ گھر۔۔۔ مسجد۔۔۔ دارالعلوم۔ ضروریاتِ زندگی کے لیے اپنا گھر تھا، دن کے چھ گھنٹے دارالافتا کے کاموں میں مصروف رہتے اور بقیہ اوقات ایک چھوٹی سی مسجد (مسجد عزیز) امامت اور مطالعہ، اور تصنیف وتالیف میں گزارتے۔ اس کے علاوہ کسی تیسری جگہ پر میری ان گنہگار آنکھوں نے مفتیؒ مرحوم کو نہیں دیکھا۔

مفتیؒ مرحوم نہ صرف ایک عالم باعمل اور صاحبِ فضل وکمال تھے بلکہ وہ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ خدا کے سچے بندے، عشقِ رسول سے سرشار اور خُلقِ رسول کے آئینہ دار بھی تھے۔ وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے لیکن ان کے نمایاں اوصاف سادہ مزاجی، شگفتہ روئی اور فرتنی تھے۔ قحط الرجال کے اس عہد میں اس طرح کے لوگ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک نعمت پاس رہتی ہے اس کی قدر نہیں ہوتی لیکن زوالِ نعمت کے بعد اس کی قدر کا احساس خود بخود ہونے لگتا ہے۔

مفتی صاحب 5 مارچ 1939 کو دیوبند میں قاری جلیل الرحمنؒ (م: 1995) کے گھر پیدا ہوئے۔ دیوبند کے عثمانی خانوادے سے ان کا تعلق تھا۔ گھرانہ انتہائی مہذب، بااثر اور تعلیم یافتہ رہا اور ہے۔ مفتیؒ مرحوم کے پردادا مولانا فضل الرحمن عثمانی دیوبندیؒ (م: 1907) دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں۔ فارسی واردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ 1957 کے زمانے میں محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ (م: 1929) اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (م: 1949) ان کے صاحبزادے ہیں۔ اول الذکر مفتی کفیل الرحمن نشاط مرحوم کے دادا ہیں۔ ان کے والد قاری جلیل الرحمنؒ زندگی بھر دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تجوید وقرأت میں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ ندوۃ المصنفین دہلی (1938) کے بانی مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ (م: 1984) نشاط مرحوم کے عم محترم تھے۔ ان کے برادرِ

بزرگ پنجاب کے سابق قاضی مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی آج بھی اپنے علم وقلم سے ایک دنیا کو سیراب کر رہے ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی انجم عثمانی اردو کے معروف افسانہ نگار ہیں۔

مفتی صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد دارالعلوم میں داخلہ لیا اور 1969 میں دورۂ حدیث شریف اور 1961 میں شعبۂ افتا سے فراغت حاصل کی۔ ان کے اہم اساتذہ میں مولانا سید فخر الدینؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا فخر الحسنؒ، مولانا بشیر احمد خاںؒ اور قاری محمد طیب قاسمیؒ وغیرہ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا رخ کیا اور 1975 میں وہاں سے ایم اے (عربی) کی ڈگری حاصل کی۔ پروفیسر مختار الدین احمد آرزو، پروفیسر مہدی حسن، ڈاکٹر حامد علی خاں اور غلام مصطفی خاں وغیرہ کے نام علی گڑھ کے اساتذہ میں نمایاں ہیں۔

1976 میں دارالعلوم دیو بند کے شعبۂ افتا میں ان کا تقرر ہوا، کچھ دنوں مذکورہ شعبے میں تدریسی خدمات بھی انجام دی لیکن ان کی اصل ذمہ داری فتاویٰ نویسی تھی۔ تادم واپسیں وہ اس اہم منصب پر فائز رہے۔ وہ ایک انتہائی ذمہ دار، دیانت دار اور محنتی انسان تھے۔ ورع وتقویٰ اور خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ دفتر میں ذاتی کام کے لیے آفس کا قلم اور پن تک کے استعمال سے مکمل گریز کرتے تھے اور ذاتی کام کے لیے ان کا اپنا ایک الگ قلم ہوا کرتا تھا۔ وقت کے اس قدر پابند کہ آپ اپنی گھڑی کا وقت ٹھیک کرلیں۔ وہ انتہائی کم گو تھے لیکن ایسا بھی نہیں کہ سلام کا جواب نہ دیں یا کوئی کچھ پوچھ بیٹھے تو جبیں شکن آلودہ ہوجائے۔ ان کے استفتاءات کے جواب کا اسلوب بہت اچھوتا ہوتا تھا، وہ پیچیدہ اور گنجلک بات کرنے کے عادی نہ تھے اور نہ ان کی تحریروں میں ابہام ہوتا تھا۔ وہ بہت ہی احتیاط کے ساتھ سادہ، قابلِ فہم، مختصر اور مدلل بات کرتے تھے۔ فتویٰ نویسی پر ان کے دادا کا رنگ غالب تھا۔

مفتیؒ مرحوم عجیب وغریب خصائل کی حامل شخصیت تھے۔ بظاہر ان کے شب وروز اور ان کے سراپا سے یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک درویش اور قلندر شخص ہیں لیکن وہ اپنی مسجد کے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر پوری کائنات سے آگاہ تھے۔ ان کے شعری سرمایہ اور نثری ذخیرہ اس دعوے کی دلیل ہیں۔ ملکی مسائل ہوں یا عالمی صورت حال دونوں پر ان کی نظر ہوتی تھی۔ ان کی نثر یا شاعری پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی ساٹھ سالہ بزرگ کی تحریر یا کلام نہیں بلکہ کسی جواں سال قلم کار کی فنکاری کا نتیجہ ہے۔ بطور خاص ان کی شاعری سے تو یہ یقین کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے کہ یہ اسی درویش صفت مدرسے کے ایک مفتی کا کلام ہے جو دن بھر تو فقہ وفتاویٰ میں مصروف رہتا ہے اور تھوڑے سے وقت کے لیے اپنے گھر جاتا ہے اور مسجد کے

ایک چھوٹے سے کمرے میں آرام کرتا ہے، کسی تیسری جگہ پہ کبھی اس کا کوئی قدم پڑتے نہیں دیکھا جاتا اور نہ ہی قلم وکاغذ کے علاوہ کسی تیسرے کاروبار سے ان کا کوئی تعلق۔ علم وتفقہ اور زبان وقلم کا کچھ حصہ تو انھیں بالضرور ورثے میں ملی تھی لیکن بہت بڑا حصہ مفتی صاحب نے اپنی جہدِ مسلسل، محنت ولگن اور خود کو غیر ضروری مصروفیات سے علیحدہ رکھ کر برتا تھا۔ اللہ نے انھیں کتاب وسنت اور علمِ فقہ میں درک کے ساتھ شعر وادب کا بھی اعلیٰ اور عمدہ ذوق ودیعت کیا تھا۔

تصنیف وتالیف سے بھی ان کو گہرا شغف تھا۔ ان کی بیشتر تصانیف عربی وفارسی ترجموں پر مشتمل ہیں لیکن ان کی کمیت کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اللہ کے اس بندے کو اتنا وقت کہاں سے ملتا تھا!؟ خیر! اللہ جس سے جو کام لے لے، کم وقت میں لے لے یا زیادہ میں، وہ ذات تو ہر شئی پر قادر ہے۔ یہ بھی صدفی صد حق ہے کہ جو وقت کی قدر کرتا ہے اللہ اس کے وقت میں برکت ڈال دیتا ہے۔ عربی وفارسی کی جن کتابوں کا انھوں نے ترجمہ کیا ہے ان میں تقریباً سبھی کا تعلق درسیات سے ہے۔ ذیل میں ان کے اردو ترجمہ وشرح کی تفصیلات دی جاتی ہیں:

(1) سراج المعانی ترجمہ وشرح شرح جامی (1980) (2) سراج الوقایہ ترجمہ وشرح شرح وقایہ (1982) (3) سراج المطالب ترجمہ وشرح کافیہ (4) تفہیم المسلم ترجمہ وشرح فتح الملہم (شرح المسلم عربی) (5) سراج الایضاح ترجمہ وشرح نورالایضاح (1984) (6) اصولِ اکبری ترجمہ وشرح فصولِ اکبری (1985) (7) سراج الطالبین ترجمہ وشرح پنج گنج (1986) (8) ترجمہ فتاویٰ عالم گیری (1998) (9) سراج المنیر ترجمہ الفیۃ الحدیث (10) سراج النحو ترجمہ وشرح ہدایۃ النحو۔ اسی طرح کچھ کتابوں کے انھوں نے صرف ترجمے کیے ہیں۔ ان میں (1) مالا بدمنہ (1987) (2) پندنامہ (1988) (3) گلزارِ دبستاں (1989) (4) مسائلِ اربعین (1990) (5) تحفۃ الموحدین (1990) (6) رباعیاتِ خواجہ بہاء الدین نقشبندی (1990) (7) فارسی کی پہلی (1983) (8) فارسی کی دوسری (1984) یہ کتابیں ہیں۔ گلستاں وبوستاں اور مالا بدمنہ پر ان کے اردو حواشی بھی ہیں۔ مفتی مرحوم کی باضابطہ تصانیف بھی تقریباً ایک درجن ہیں۔ (1) زیارتِ قبور (2) آئینۂ بدعت (3) شادی کی رسمیں (4) اسلامی مہینے۔ اس کے علاوہ سوانح کے فن پر بھی ان کی چار کتابیں ہیں۔ (1) حیاتِ ابوذرؓ (2) حیاتِ سلمان فارسیؓ (3) حیاتِ ابو ہریرہؓ (4) حیاتِ ابنِ عباسؓ۔ اسی کے ساتھ ساتھ شاعری کے بھی تین مجموعے شائع ہوئے۔ (1) کلیاں (بچوں کی نظمیں) (2) نعتِ حضور (3) شناسا (نظم وغزل) (بحوالہ پسِ مرگ زندہ، مولانا نور عالم خلیل امینی، ادارہ علم وادب دیوبند 2006)

2013 میں مفتی صاحب کے صاحبزادے صفوان عزیز نے 'کلیاتِ نشاط' کی شکل میں ان کے جملہ کلام کو یکجا کر دیا ہے۔ شاعری میں مفتی مرحوم نے حمد، نعت، مثنوی، مرثیہ، رباعی، نظم اور غزل جیسی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ ادبِ اطفال سے بھی دلچسپی لی۔ مشاعروں میں بھی شریک ہوئے اور ریڈیو ٹی وی پر بھی ان کا کلام نشر ہوا۔ ملک و بیرونِ ملک کے درجنوں اخبارات و رسائل میں بھی ان کی نظمیں و غزلیں شائع ہوئیں۔ درحقیقت وہ غزل کے شاعر تھے اور ان کی شاعری کا بہت ہی خوب صورت لب ولہجہ تھا۔ ان کے چند اشعار پیش ہیں۔

سمٹے تو گلستاں میں گلِ تر کی طرح ہے — بکھرے تو وہ خوشبو کے سمندر کی طرح ہے

اسی کے نام سے ملتی ہے جذبوں کو توانائی — وہ لفظوں میں پیدا قوتِ تاثیر کرتا ہے

کم ہی ملتے ہیں بھلے شعر کے نباض نشاطؔ — یوں تو کہنے کو بہت لوگ سخنور ٹھہرے

وقت نے آخر یہ سمجھایا — کون ہے اپنا کون پرایا

محبتوں کے دیے جلا کر دلوں کی دہلیز پر سجا دو — کہ نفرتوں کی فضا سے یہ بھی ہے صورتِ انتقام ساقی

گلزارِ دیارِ اقدس کا ہر ذرہ ہے ندرت کا پیکر — پھولوں کی نزاکت کیا کہنا کانٹوں میں لطافت ہوتی ہے

جدت طرازیاں بھی بہت خوب ہیں مگر — ایسا نہ ہو کہ فکر کا معیار گر پڑے

صرف الفاظ کے پیکر نہیں اشعارِ نشاط — فکر و معنیٰ کے سموئے ہیں سمندر کتنے

اس مقام پر مفتی کفیل الرحمن نشاط کے شعری مجموعے ''شناسا'' کے مقدمے ''عرضِ حال'' کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ان کے نثری خوبیوں کا بھی کسی قدر انداز ہو سکے گا اور ان کی شعری کائنات کیسے کیسے نجوم و کواکب سے سجائی گئی ہے، کے امتیازات کا بھی علم ہو سکے گا۔

''تقریباً چالیس سالہ ادبی سفر کا مختصر انتخاب پیش ہے۔ اس طویل ادبی سفر میں سبزہ زاروں کی بھی سیر کی، پھولوں کی دلآویز نکہتوں نے بھی مشامِ دل وجاں کو معطر کیا، راہ کے کانٹے بھی والہانہ استقبال کے لیے آئے، صحرا کے پر ہول سناٹے بھی دیکھے، گاؤں کی پگڈنڈیاں، شہر کے صاف شفاف راستے، قصباتی زندگی کے مناظر تجربات کی نگاہ سے گزرے۔

------------بقیہ صفحہ ۷ / پر:

فقہ وفتاویٰ

مفتی محمد نثار خالد دیناجپوری

استاذ حدیث جامعہ ہذا

سوال (۱) ایک شخص گاڑی پر بیٹھا سفر کر رہا ہے، اس نے قرآن پڑھنا شروع کیا، دوران تلاوت سجدہ کی آیت آ گئی اور اس نے اس سے پڑھ لیا، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ سجدہ واجب ہے، تو اس کو گاڑی سے اتر کر سجدہ کرنا ہوگا یا گاڑی پر بیٹھے بیٹھے بھی سجدہ کر سکتا ہے؟

جواب: صورت مذکورہ میں وہ شخص گاڑی پر بیٹھے بیٹھے بھی اشارہ ہی سے سجدہ کر سکتا ہے، کیوں کہ تلاوتِ قرآن کرنا نفل نماز کی پڑھنے کی طرح ہے، اس کے لئے نہ وقت متعین ہے اور نہ کوئی مقدار متعین، لہٰذا جس طرح نفل نماز گاڑی پر پڑھنا درست ہے، اسی طرح سجدہ تلاوت کرنا بھی درست ہوگا۔ بحر ج ۲/ص ۲۰۹ میں ہے:

ورکنها وضع الجبهة على الأرض أو ما يقوم مقامه من الركوع كما سيأتي أو من الإيمان وللمريض أو كان راكبا على الدابة في السفر وتلاها أو سمعها والقياس أن لا يجز به الإيما على الراحلة لإنها واجبة فلايجوز اداؤها على الراحلة من غير عذر لكنهم استحسنوه لإن التلاوة امر دائم بمنزلة التطوع فكان في اشتراط النزول له حرج الخ۔ ومثله في البدائع ج ا ص ۵۷۲، فيصل۔

سوال (۲) اگر کسی کے ذمہ سجدۂ تلاوت کرنا ضروری ہوا اور وہ سجدہ کرے، مگر سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہے اور نہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہے تو اس طرح اس کا سجدہ ہوا یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! اس سے اس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا، کیوں کہ سجدہ تلاوت میں سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے اللہ اکبر کہنا سنت ہے، نہ کہ فرض۔ چنانچہ بحر ج ۲/ص ۲۲۳/میں ہے:

والمراد بالتكبيرتين تكبيرة الوضع وتكبيرة الرفع وكل منهما سنة الخ اور اسی کے تحت منحۃ الخالق میں ہے: **قال في التاتار خانيه: وفي الحجة وقال بعض المشائخ: لو سجده ولم يكبر يخرج عن العهدة** مگر ایسا نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ اس سے ایک سنت کا ترک کرنا لازم آتا ہے، جو اچھی بات نہیں ہے۔ **قال في الحجة: وهذا العلم ولا يعمل به لما فيه من مخالفة السلف۔**

سوال (۳) سجدۂ تلاوت کرنے والا سجدہ کرنے کے بعد سیدھا اٹھ جائے اور سلام نہ کرے تو اس

کا سجدہ ہوگا یا نہیں؟

جواب: سجدۂ تلاوت میں چوں کہ تشہد پڑھنا اور دائیں بائیں سلام کرنا کوئی چیز نہیں، اس لئے صورت مسئولہ میں اس کا سجدہ ہوجائے گا مراقی ص ۴۹۸ میں ہے:

(ولا تشهد) لعدم وروده (ولا يتسلم) لإنه يستدعي سبق التحريمة وهي منعدمة الخ۔

سوال (۴) اگر کسی شخص نے نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی مگر سجدہ نہیں کیا تو اب وہ کیا کرے گا؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک صورت تو یہ (اور یہی سوال سے متبادر ہے) کہ آیت سجدہ کی نماز میں قرأت کی اور سجدہ نہیں کیا اور نماز سے فارغ ہوگیا۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اب اس سجدہ کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور سجدہ تلاوت کرنا چونکہ واجب ہے اس لئے ترک واجب کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا، لہٰذا توبہ واستغفار کرنا ضروری ہوگا۔ **(ولم تقض الصلاتية خارجها) لإن لها مزية فلا تتادى بناقض وعليه التوبة لاثمه يتعمد تركها الخ۔** مراقی، ص ۴۹۲۔ **وهكذا في در المختار** ج ۱/ص ۱۰۵۔ **والبحر** ج ۲/ص ۲۱۶۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ابھی نماز سے فارغ نہیں ہوا ہے یعنی نماز کا سلام نہیں کیا ہے یا کر چکا ہے مگر مزید نماز کے منافی کوئی دیگر کام نہیں کیا ہے اور اسے اپنا سجدہ تلاوت کرنا یاد آ گیا ہے تو پھر اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ سجدہ تلاوت کرلے اور وہ چونکہ یہ سجدہ اب بے محل کیا جارہا ہے، اس لئے نماز کے آخر میں سجدۂ سہو بھی کرے۔ منحۃ الخالق علی البحر ج ۲/ص ۲۱۱ میں ہے۔ **ولم تقض الصلاتية خارجها ويجب عليه سجود السهو لو تذكرها في آخر صلاته في الأصح۔ ونحوه في البحر** ج ۲ ص ۱۶۵۔ **باب سجود السهو**۔ اور در مختار ج ۱/ص ۲۱۶ میں ہے۔ **ويقضيها ما دام في حرمة الصلاة ولو بعد السلام وفي الشامية، ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها** (منقول از حاشیہ محمودیہ ص ۴۶۸ کراچی)

سوال (۵) اگر کسی نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ کرنے کی نیت سے رکوع کیا تو اس کا سجدۂ تلاوت ادا ہوگا یا نہیں؟

جواب: واختار قاضي خان ان الركوع خارج الصلاة ينوب عنها وفي النهر عن البزازية وهو ظاهر المروي حاشية الطحطاوي على المراقي ص ۴۸۶

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خارج نماز آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والے نے سجدۂ تلاوت کرنے کی نیت سے رکوع کرلیا، تو اس سے بھی اس کا سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا۔ **كذا في النهر** ج ۱/ص ۳۳۹

سوال (۶) اگر کسی حافظ صاحب نے نمازِ تراویح میں آیت سجدہ کی تلاوت کی اور رکوع میں چلا گیا

پھر اس کے بعد سجدہ کرلیا اور نماز مکمل کرنے کے بعد اس کو آیت سجدہ کا تلاوت کرنا یاد آیا تو کیا کرے؟

جواب: اگر آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع کیا، پھر سجدہ کیا، تو سجدۂ تلاوت ادا ہوگیا، خواہ اس نے سجدۂ نماز میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہیں کی ہو۔ مراقی الفلاح ص۴۸۷ رمیں ہے **ويجزى عنها سجودها أى سجود الصلاة وإن لم ينوها أى التلاوة إذا لم ينقطع فور التلاوة الخ۔**

سوال (۷) با جماعت نماز ہورہی ہے، امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور رکوع کرلیا اور رکوع میں اس کو آیت سجدہ کا تلاوت کرنا یاد آیا اور اس میں سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کرلی تو کیا حکم ہے؟

جواب: مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے رکوع میں بھی سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہوجاتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں امام کا سجدۂ تلاوت ادا ہوگیا، اسی طرح جن مقتدیوں نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی ہے، ان کا بھی سجدہ ادا ہوگیا، البتہ جن لوگوں نے مقتدیوں میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہیں کی ہے ان کا سجدہ ادا نہیں ہوا لہٰذا وہ امام کی نماز کے بعد اگر سجدۂ تلاوت کر لیتے ہیں تو فبہا، ورنہ توبہ واستغفار کریں، البتہ اگر وہ نمازِ امام کے بعد سجدۂ تلاوت کر لیتے ہیں پھر ان کے ذمہ قعدۂ اخیرہ دوبارہ کرنا فرض اور تشہد دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

وتؤدى بركوع صلاة إذا كان الركوع على الفور من قرأة آية آية أو آيتين وكذا الثلث على الظاهر كما فى البحر إن نواه اى كون الركوع بسجود التلاوة ولو لم ينوها الموتم لم تجز ويسجد إذا سلم الامام ويعيد العقده ولو تركها فسدت صلاته كذا فى القنية وينبغى حمله على الجهرية در مختار ج ۱/ص ۱۰۵ وفى البحر ج۲/ص ۱۶۵ وفيما إذا تذكر سجدة تلاوة فسجدها روايتان اصحهما ج، ۱/إنها كالصلبية لإنها اثر القراءة وهى ركن فاخذت حكمها الخ۔

مسئله: **ينبغى حمله على الجهرية الخ** کی بنیاد پر فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر باجماعت نماز پڑھنے اور اس میں آیتِ سجدہ کے تلاوت کرنے کا قصہ اگر سری نمازوں میں ہو اور فوراً ہی آیتِ سجدہ کے پڑھنے کے بعد رکوع میں چلا جائے اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلے تو جس طرح ان کا ذمہ فارغ ہوجائے گا اسی طرح مقتدیوں کا ذمہ بھی فارغ ہوجائے گا جیسا کہ ردالمحتار کے حوالہ سے فتاویٰ محمودیہ ج۷/ص۴۶۶ کراچی میں لکھا ہے:

سوال (۸) تراویح کی نماز سے امام صاحب نے آیتِ سجدہ کی تلاوت کی اور آگے بڑھ گئے، پھر انہیں یاد آیا اور سجدہ میں چلے گئے، سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا۔

جواب: صورت مذکورہ میں اگر امام صاحب نے آیتِ سجدہ کے بعد چار آیتیں پڑھ لی ہیں، پھر سجدۂ تلاوت کیا ہے، تو سجدۂ تلاوت تو ادا ہو جائے گا، مگر انہیں نماز کے ختم پر سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا، کیوں کہ سجدۂ تلاوت اپنے محل سے موخر ہو گیا اور واجب کی تاخیر سے سجدۂ سہو کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اور اگر آیتِ سجدہ کے بعد تین آیات یا ان سے کم پڑھا تھا، پھر سجدۂ تلاوت کرلیا تو بلاشبہ سجدہ ادا ہو جائے گا اور اس صورت میں سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ مراقی ص ۴۸۷ میں ہے:

إذا انقطع فور التلاوة صارت دينا فلا بد من فعلها بنية فياتي لها سجود او ركوع خاص وتحته في الحاشية لفوات المحل۔ وفي رد المحتار: ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها كما مر۔

سوال (۹) ایک شخص نے دورانِ نماز آیت سجدہ پڑھی، مگر سجدہ کرنا بھول گیا اور آگے بڑھ گیا اور چند آیتیں پڑھ کر نماز کا رکوع اور سجدہ کیا تو اس کے سجدۂ تلاوت کا کیا ہوگا؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں اگر اس نے آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد چار آیتیں نہیں پڑھی تھیں کہ نماز کا رکوع اور سجدہ کرلیا تو پھر اس کا سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو گیا، کیوں کہ بقول حضرات علماء: ابھی سجدۂ تلاوت اس کے ذمہ دین نہیں بنا ہے، اس لئے اس کا سجدۂ نماز اس کے سجدۂ تلاوت کی طرف سے کافی ہو جائے گا خواہ اس نے اپنے سجدۂ نماز میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کی نیت نہ کی ہو۔ بدائع: ج، ا ر ص ۵۸ میں ہے:

بخلاف ما إذا لم يصر دينا لإن الحاجة هناك إلى التعظيم والخضوع وقد وجد فيكتفي بذالك كداخل المسجد إذا اشتغل بالفرض ناب ذالك مناب تحية المسجد لحصول تعظيم المسجد۔ وفي شرح التنوير: يقضيها مادام في حرمة الصلوة ولو بعد السلام۔ وإذا لم يسجد اثم فلتزمه التوبة ص ۱۰۵

سوال (۱۰) تراویح کی نماز ہے، حافظ صاحب نے سورۂ علق کی قراءت کی، اس کی آخری آیت ''آیت سجدہ'' ہے، اب انہوں نے آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا، پھر کھڑے ہوئے اور فوراً رکوع کرلیا تو ایسا کرنا ان کا کیسا ہے؟

جواب: مراقی الفلاح میں اس طرح کرنے کو مکروہ لکھا ہے اور علامہ طحطاوی نے اس پر حاشیہ میں لکھا ہے مکروہ کا مطلب مکروہ تحریمی ہے:

ولو ركع بمجرد قيامه منها كره (مراقى) واطلق في الكراهة وظاهره التحريم ، ص ۴۸۱ر الخ

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ ھذا

شش ماہی امتحان کا کامیاب انعقاد

پچھلے دنوں جامعہ میں شش ماہی امتحان کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں سارے طلبہ نے اپنی تیاریوں کا مظاہرہ کیا۔ حضرات ممتحنین نے تمام کتابوں کا ہمہ جہت امتحان لیا۔ امتحان تحریری اور تقریری دونوں نوعیتوں پر مشتمل تھا۔ نتائج ابھی آویزاں نہیں ہوئے ہیں، تاہم حضرات ممتحنین کے تاثرات موصول ہو گئے ہیں۔ ان کے تحریر کردہ تاثرات کے مطابق طلبہ کی تیاریاں الحمدللہ بہتر رہیں۔ حضرات ممتحنین نے اس کے ساتھ ہی مناسب اور مفید مشوروں سے بھی جامعہ کو نوازا۔ نتائج انشاء اللہ اگلے شمارے میں پیش کئے جائیں گے۔

اربابِ خیر کے اعزاز میں اہم اجلاس

پونے (مہاراشٹر) کے اصحاب خیر پر مشتمل ایک وفد نے الحاج محمد نعیم کی قیادت اور مولانا زین الدین قاسمی کی معیت میں یہاں کے متعدد مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ سے ملاقات کی، اسی ذیل میں ۱۱ر دسمبر کی رات میں جامعہ امام محمد انور شاہ میں وفد کے لئے ایک استقبالیہ پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ نے کی۔ اس موقع پر استاذ حدیث مولانا عبدالرشید بستوی زید مجدہم نے جامعہ کا تعارف پیش کیا اور جامعہ کی اب تک کی تعلیمی، تربیتی، تالیفی و تصنیفی اور تعمیری ترقیات سے روشناس کراتے ہوئے کہا کہ 20 سال کی قلیل مدت میں جامعہ نے ان تمام شعبوں میں جیسی بے مثال کارکردگی دکھائی وہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے، اس میں ادارہ کے بانی فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کے اخلاص و عمل اور موجودہ مہتمم کے حسن انتظام، جملہ اساتذہ و کارکنان کی محنت اور لگن نیز اصحاب خیر کے گراں بہا مالی تعاون کا اہم حصہ رہا ہے۔ اس دوران وفد کی قیادت کرر ہے الحاج محمد نعیم نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ نیت کریں کہ تعلیم کی فراغت کے بعد دین اور علم دین کو ان جگہوں اور گھروں تک پہنچائیں گے جہاں اب تک ان کی روشنی نہیں پہنچ سکی

ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنی آمدنی مدارس و مکاتب پر صرف کریں گے، آپ حضرات دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔مفتی محمد ہارون نے جامعہ کی تعلیمی و تصنیفی خدمات اور کارکردگی پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ حضرت علامہ کشمیری ہمارے علمائے دیوبند میں محدث یگانہ اور فرد فرید ہیں، اس دوران جامعہ کے استاذِ حدیث مفتی نوید احمد دیوبندی زید مجدہم نے مہمان خصوصی الحاج محمد نعیم اور ان کے رفقاء کی خدمت میں ہدیہ تشکر و امتنان پر مشتمل سپاس نامہ پیش کیا۔ جس میں ان کے دینی جذبے اور مدارس و مکاتب نیز دیگر دینی وملی جماعتوں کے لئے فراخ دلانہ مالی تعاون کو خراج تحسین پیش کیا۔قبل ازیں استقبالیہ پروگرام کا آغاز محمد مجتبیٰ سبحانی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا اور محمد ثالث قنوجی نے نعت پیش کی، جب کہ جامعہ کا ترانہ محمد مجیب، محمد حسین نے مشترکہ طور پر پیش کیا۔اس دوران جامعہ کے متعلّم محمد مہتاب مظفر نگری نے عربی زبان میں تقریر کی۔نظامت کے فرائض احقر فضیل احمد ناصری نے انجام دیئے۔پروگرام کا اختتام استاذِ حدیث مولانا شیث احمد مظاہری زید مجدہم کی دعا پر ہوا۔

اساتذہ وطلبہ کی پر تکلف دعوت

مہمانوں کی طرف سے اساتذہ وطلبہ کے لئے پر تکلف عشائیہ کا اہتمام ہوا۔طلبہ نے حسب سابق اپنا طعام مطبخ سے حاصل کیا، جب کہ اساتذہ اور مہمانانِ کرام نے مل بیٹھ کر تناول کیا۔اس دعوت پر نعیم صاحب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

حافظ سیّد محمد حمدان شاہ مسعودی کی تحفیظ القرآن کے سلسلے میں باوقار تقریب

رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم کے اکلوتے فرزند عزیزم سید حافظ حمدان شاہ مسعودی سلمہٗ نے قرآن کریم پختہ یاد کرلیا۔اس عظیم سعادت کے حصول پر حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ نے جامعہ میں ’’تکمیل تحفیظ القرآن‘‘ کے زیرعنوان ایک باوقار تقریب کا انعقاد کیا، جس میں اہم علمی اور سماجی شخصیات نے شرکت کی۔اس موقع پر حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے اساتذۂ جامعہ سمیت تشریف لائے تمام مہمانانِ کرام کو ظہرانہ بھی پیش کیا گیا۔حضرت مدظلہٗ نے آنے والے تمام ’’اضیافِ کرام‘‘ کا شکریہ ادا کیا۔

اقوامِ متحدہ برما میں اپنا کردار ادا کرے: رئیس الجامعہ

پوری دنیا میں مسلمانوں کے عرصۂ حیات کو تنگ کیا جارہا ہے، مسلم مخالف طاقتیں مسلمانوں پر ظلم

وزیادتی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑ رہی ہیں، ایک تازہ واقعہ میں روہنگیا میں مسلمانوں کے اوپر جو ظلم وستم کئے جارہے ہیں وہ انسانیت کے خلاف ہیں، اقوام متحدہ کو اس پر سختی کے ساتھ نوٹس لینا چاہئے۔ ان خیالات کا اظہار رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی دام ظلہٗ نے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تین سال قبل میانمار میں نسلی اور مذہبی تصادم کے آغاز کے بعد سے میانمار کے انتہاپسند بدھسٹ حکومت اور فوج روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کر رہے ہیں، ان کی املاک کو تباہ و برباد اور خواتین کی عزت کو تار تار کیا جارہا ہے، معصوموں کا قتل کیا جارہا ہے جو سراسر ظلم اور انسانیت کے خلاف ہے۔ اس سلسلہ میں اقوام متحدہ کو سنجیدگی کے ساتھ سخت اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ وہاں کے مسلمانوں پر جو ظلم وزیادتی کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں آج سے چار سال قبل ٹھیک اسی طرح کیا گیا تھا، لوگ وہاں سے نقل مکانی کرنے کو مجبور ہیں۔ حال ہی میں اقوام متحدہ کے ادارے ''برائے پناہ گزیں'' کے سربراہ جان مک نے جو میانمار کے حالات کی منظر کشی کی ہے اور میانمار سرکار کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے وہ روہنگیا مسلمانوں کے تئیں ایک منصفانہ اور ہمدردانہ قدم ضرور ہے لیکن اچھا یہی ہوگا کہ اقوام متحدہ محض تنقیدی سطح سے اوپر اٹھ کر عملی طور پر روہنگیا کے مسلمانوں پر ظلم کرنے سے میانمار سرکار کو باز رکھنے کی کوشش کرے۔ اس وقت میانمار میں جو حالات ہیں وہ دل دہلا دینے والے ہیں اور پوری دنیا میں اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے بھی ہورہے ہیں مگر حکومت میانمار پر کوئی اثر نہیں ہورہا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف شدید ظلم وستم کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اقوام متحدہ جیسی عالمی تنظیم بھی اس کی مذمت کرنے اور حقائق کو سامنے لانے پر مجبور ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا عجیب بات ہے کہ دنیا میں مسلمانوں پر کئے جانے والے مظالم کے خلاف اول تو کوئی آواز اٹھتی نہیں اور اگر اکادکا کوئی انصاف پسند سامنے بھی آتا ہے تو مسلم دشمنوں کے شور میں اس کی آواز دب جاتی ہے، حق وانصاف کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آنگ سانگ سوچی جن کی شبیہ پوری دنیا میں ایک اچھے قائد اور عالمی لیڈر کی شبیہ تھی وہ خراب ہورہی ہے اور ان کے متعلق بھی یہ نظریہ قائم ہوگیا ہے کہ وہ بدھسٹ انتہاپسندوں کے سامنے بے بس اور لاچار ہیں، کیا یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عالمی طاقتوں کے ساتھ ساتھ خود حکومت میانمار بھی مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی کا تہیہ کرچکی ہے؟

واردین وصادرین

ماہِ دسمبر میں کئی شخصیات نے جامعہ کی زیارت کی، جن میں پونے سے تشریف لائے معزز مہمان جناب نعیم سیٹھ صاحب بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔ موصوف نے تشریف لاکر جامعہ کا معائنہ کیا اور اس کی

ظاہری تعلیمی ترقیات پر مسرت کا اظہار کیا۔اس موقع پر انہوں نے جامعہ کے لئے دعائے خیر بھی کی۔

۲۶ر دسمبر کو ایک تقریب میں شرکت کے لئے متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی مدظلہ العالی استاذ حدیث وناظم تعلیمات دارالعلوم وقف دیوبند تشریف لائے۔حضرت مدظلہٗ نے جامعہ کا معائنہ فرما کر اپنے بیش قیمت تاثرات سے نوازا اور اس کی روز افزوں سربلندیوں پر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

۲۷ر دسمبر کو دارالعلوم دیوبند کے استاذ ادب اور الداعی کے موقر ایڈیٹر حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی صاحب بھی جامعہ میں حافظ محمد حمدان شاہ کی تقریب حفظ کلام اللہ کے موقع پر تشریف فرما ہوئے۔اور جامعہ سے متعلق اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا۔

حافظ محمد داؤد صاحب کینیڈا سے اور جناب محمد طلحہ صاحب جی بھائی گجرات سے اپنے اقارب کے ہمراہ جامعہ میں خصوصی زیارت کے لئے تشریف فرما ہوئے اور جامعہ کے شعبہ جات کا تفصیلی معائنہ اور دعاؤں سے جامعہ کو سرفراز فرمایا۔

بقیہ صفحہ ۴۷ کا: بہت کم بلکہ شاذ ونادر ہی لوگوں کو معلوم ہوگا کہ حضرت مرحوم اردو زبان وادب کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔انہوں نے دارالعلوم میں طالب علمی کے دوران ۱۹۴۶ء میں بزم سجاد کے دیواری پرچے ماہنامہ ''البیان'' کی ادارت بھی سنبھالی۔مسلم پرسنل لاء بورڈ نے جب اپنا آرگن ''خبرنامہ'' شروع کیا تو ادارت کے لیے نظر انتخاب مولانا پر ہی پڑی۔مرحوم بلند پایہ شاعر بھی تھے،کتاب میں ان کے مذاق سخن پر بھی متعدد مقالات موجود ہیں۔حضرت مولانا رابع ندوی (لکھنؤ) اور میر عصر ڈاکٹر کلیم احمد عاجزؔ مرحوم جیسے رمز شناس ادیبوں کے رشحاتِ فکر بھی شامل ہیں۔''شعر وسخن کا کوہِ طور'' کے عنوان سے احقر فضیل احمد ناصری کا بھی نو صفحات پر مشتمل ایک مقالہ شریک ہے۔

کتاب اپنی معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری کشش سے بھی خوب مزین ہے۔بہترین کاغذ،دیدہ زیب سرورق،خوب صورت سیٹنگ،عمدہ ڈیزائننگ اور معیاری طباعت اس کتاب کی اہمیت کو دوبالا کرتی ہے۔بہار کے قدیم ترین دینی ادارے ''مدرسہ امدادیہ دربھنگہ'' نے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔مدرسہ امدادیہ نے یہ مجموعہ چھاپ کر اپنے ایک نامور فرزند کو خوب صورت خراج تحسین پیش کیا ہے۔

مرتب کتاب محترم محمد عارف اقبال صاحب اس کتاب کی اشاعت پر لائق صد تبریک ہیں۔ان کی اس کوشش نے ''امیر شریعت شناسی'' کا عظیم فریضہ انجام دیا ہے۔اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ہر اہل علم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

نقد و نظر

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ ھذا

نام کتاب: میر شریعت سادس: نقوش و تاثرات		مؤلف: محمد عارف اقبال
صفحات: ۶۸۴، قیمت ۵۰۰ روپئے		ناشر: مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (بہار)

امارت شرعیہ (بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ، نیپال) ہندوستان کے ان سرکردہ اداروں میں سے ہے، جن پر اہل اسلام کو ہمیشہ فخر رہا۔ یہ روز اول سے ہی ملت اسلامیہ ہندیہ کی قیادت بہتر انداز میں کرتی رہی ہے، یہ ادارہ ''مفکر اسلام'' حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے خوابوں کی تعبیر ہے، اس کا قیام ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ اس کی تاسیس اور کارناموں پر اب صدی گزرنے کو ہے۔ حق جل مجدہٗ نے اس عظیم ادارے سے عظیم الشان کام لئے۔

امارت شرعیہ کا دائرۂ کار اگرچہ چند صوبوں تک محیط ہے، لیکن اس کے اثرات ملک و بیرون ملک تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں سے کئی ایسے کارنامے انجام پائے جن کی تعریف و توصیف کے ساتھ تقلید بھی کی گئی۔ بلند نگاہ شخصیات اور کوہ قامت ہستیوں کے بغیر ''آگ کے اس دریا کو عبور کرنا'' قطعاً ممکن نہ تھا، ازل سے تا امروز یہی طریقہ رہا ہے کہ قدرت کسی ادارے سے بڑے کام لینا چاہتی ہے تو اسے مخلص، سنجیدہ اور باکمال افراد مہیا کرتی رہتی ہے۔ اس کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو ایک سے بڑھ کر ایک نابغہ یہاں خیمہ زن ملیں گے۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ وغیرہ۔ انہیں نوابغ میں ایک ''قدآور نام'' امیر شریعت سادس ''حضرت مولانا سید نظام الدین'' گیاویؒ کا ہے۔

حضرت مولانا سید نظام الدین (ولادت ۳۱؍مارچ، ۱۹۲۷ء؍وفات، ۱۷؍اکتوبر ۲۰۱۵ء) بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ کے چھٹے امیر شریعت تھے۔ ان سے پیش تر بالترتیب مولانا عبدالرحمن، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا قمر الدین، مولانا محی الدین اور مولانا بدر الدین امیر رہے ہیں۔ مولانا مرحوم ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۸ تک نائب امیر شریعت، پھر ۱۹۹۸ء سے تاحیات ''امیر شریعت'' کے عظیم ترین منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۸ء تک آپ امارت شرعیہ کے ناظم بھی رہے۔

امیر شریعت جب تک حیات رہے، علماء و عوام کے لئے باعثِ صد رشک رہے۔ خوب زندگی

گزاری۔ ان کا طرزِ عمل اسلام کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ رنجشوں اور تنازعات سے گریزاں رہتے۔ امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانی اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ سے خوب جمی، ملت کے لئے سر بہ کفن رہنا ان کا وظیفۂ عمر تھا۔ بابری مسجد کی بازیابی میں ان کی کوششیں ناقابل فراموش ہیں۔ کم گو اور پر گو تھے۔ دیدہ ور اور دانش ور تھے۔ سوچ کر اور خوب تر فیصلے کرتے۔ ان کی چال چلن، رہن سہن، ان کی ادائے دلبرانہ عجیب مقناطیسیت رکھتی۔ کم وبیش ۸۹ رسال کی عمر پا کر ۲۰۱۵ء میں آخرت کی راہ لی۔

شخصیتوں کے گزرنے کے بعد ان کی سیرت وسوانح پر کتابیں چھپنا عام بات ہے۔ یہ ہونا بھی چاہئے۔ یہی کتابیں پورے خدوخال کے ساتھ انہیں زندہ بھی رکھتی ہیں۔ ''شخصیت ناموں'' سے جہاں صاحب سوانح کا مقام ومرتبہ اجاگر ہوتا ہے، وہیں اس عہد کی علاقائی وملکی تہذیب، معاشرت اور سیاسی حالات وواقعات بھی سامنے آجاتے ہیں۔ امیر شریعت کے حالات زندگی پر بھی مواد کی شدید ضرورت تھی۔ اللہ کا کرم کہ ''محمد عارف اقبال'' (ایم اے فائنل ائیر، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی) کی شکل میں ایک جواں سال، محنت کش اور سیال صاحبِ قلم سامنے آیا، جس نے طالب علمی ہی کے دور میں خدا معلوم کس کس طرح تنکے تنکے سے آشیانہ وہ بھی شاندار آشیانہ تعمیر کر دیا۔

امیر شریعت پر دو کتابیں آئیں۔ ایک ان کی حیات میں اور دوسری پس از مرگ۔ پہلی کتاب ''باتیں میر کارواں کی'' اور دوسری یہی زیر تبصرہ۔ اول الذکر نے مرحوم کے اوصاف وکمالات سے جس طرح نقاب کشائی کی، قارئین چونک گئے، اس میں ملک کی چوٹی کی شخصیتوں کے تحسین نامے تھے۔ دونوں کتابوں کے مرتب یہی محمد عارف اقبال دربھنگوی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب امیر شریعت کے کارناموں، ان کے بلند اخلاق، ان کی عالی ظرفی، روشن ضمیری، پاک نفسی، فراخ ذہنی، اولوالعزمی اور ان کے حیرت انگیز شب وروز سے پردہ اٹھاتی ہے۔ اس میں اکابر امت، درمیانی صف کے مستند اہل علم اور نوجوان خامہ برداروں کے مضامین، تاثراتی نظمیں، مرثیے اور اخباری تراشے جمع کئے گئے ہیں۔ ان تحریروں میں حضرت مرحوم کی ہشت پہلو شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں حالات زندگی اور کارنامے، باب دوم میں ''اداروں سے وابستگی'' باب سوم میں بزرگوں اور رفقاء سے تعلق، باب چہارم میں ادبی خدمات، باب پنجم میں ''باتیں میر کارواں کی'' پر اہل علم وادب کے تاثرات اور باب ششم میں سانحۂ ارتحال پر مضامین و مقالات شامل کئے گئے ہیں۔ مقالہ نگاروں میں اکثر نام مشہور ہیں۔ دیوبند، دہلی، لکھنؤ اور بہار کے معروف اصحاب قلم کی نگارشات اس کتاب کی زینت ہیں۔ ---------- بقیہ صفحہ ۴۵ پر

ہوا کے دوش پر

رضوان سلمانی
9897189743

اس وقت پوری دنیا میں اسلام کے خلاف سازشیں ہورہی ہیں، اسرائیلی حکومت کی جانب سے فلسطین کی مساجد میں گزشتہ دنوں اذان پر پابندی عائد کرنا اقوام متحدہ کی اصولوں کے مترادف ہے۔ اسرائیلی حکومت کے اس حکم پر اقوام متحدہ کی جانب سے بھی کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا گیا۔ ان خیالات کا اظہار تنظیم علماء ہند کے قومی صدر مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے نمائندہ سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے مگر جمہوریت پسند ممالک آنکھیں بند کرکے اس کھیل کو دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل گزشتہ 50 سالوں سے فلسطینیوں کے اوپر جو ظلم وزیادتی کررہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ انہوں نے اسرائیلی حکومت کی جانب سے فلسطینی مساجد میں اذان پر پابندی سے متعلق نئے قانون کو بدبختانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ قبلہ اول پر یہودیوں کی یلغار اور بیت المقدس میں یہودیت کا فروغ مقدس مقامات کی مسماری، مساجد کو شہید کردینا، یا انہیں مذہبی مراکز قرار دینا نسل پرستانہ سازشیں اور بے خوف دہشت گردانہ کارروائیاں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیلی حکومت کافی دنوں سے اس سازش کو تیار کرنے میں مصروف تھی جسے اب عملی جامہ پہنانے کے لئے باقاعدہ قانون کی شکل دیدی گئی ہے۔ انہوں نے ملت اسلامیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس قانون کے خلاف فلسطینی عوام کے ساتھ اسرائیلی حکومت کی زبردستی کے سامنے سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوں۔ انہوں نے عرب ممالک سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیلی حکومت کے اس قانون کے خلاف سخت نوٹس لیں۔ مولانا احمد خضر نے اسرائیل کے صدر ریولن کی ہندوستان آمد پر بھی حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ اسرائیل پوری طرح سے دہشت گرد ملک ہے اور اس نے گذشتہ ساٹھ سالوں سے فلسطین کے مسلمانوں پر جو ظلم وزیادتیاں کررکھی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں انہوں نے کہا کہ اسرائیلی وزیر اعظم کا دورۂ ہند ملک کی خارجہ پالیسی کے خلاف ہے حکومت کی حکمت عملی ملک کے اتحاد کے لئے بڑا خطرہ ہے مرکزی حکومت کو اپنے موقف میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب سے مرکز میں بی جے پی کی حکومت برسر اقتدار آئی ہے اسی وقت سے یہ حکومت اسرائیل کے تئیں نرم رویہ اختیار کئے ہوئے ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ حکومت بھی مسلمانوں کی کھلی دشمن ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج ملک جن حالات سے گذر رہا ہے وہ تشویش ناک ہے کیونکہ عدم تحمل اور عدم رواداری کا بول بالا ہے۔ ملک میں فی الوقت فرقہ وارانہ طاقتوں کا غلبہ ہے دھوکہ دہی اور جھوٹے وعدوں کی بنیاد پر ایسے لوگ ملک کا اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے جنہوں نے ہمیشہ ملک توڑنے کی کوششیں سرگرمی سے انجام دی ہیں۔ مولانا احمد خضر نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ملک میں اس وقت افراتفری کا ماحول ہے، وزیر اعظم ہند نے کرنسی کے سلسلہ میں جو قدم اٹھایا ہے وہ عوام کو پریشانیوں میں مبتلا کرنے والا قدم ہے، ان کے اس قدم سے ملک کے غریب عوام پریشانیوں میں مبتلا ہیں انہیں ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہورہی ہے، لاکھوں مزدور، مزدوری سے محروم ہوگئے ہیں اور وہ فاقہ کشی کا شکار ہورہے ہیں۔

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663

Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 9412496763, +91 8006075484

Email: ahmadanzarshah@gmail.com

Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband

دارالحدیث، شعبۂ حفظ تا تکمیل افتاء کی درسگاہوں، کتب خانہ ودفاتر پر مشتمل ''انورہال''

دارالاقامہ کا اندرونی منظر

دارالحدیث (انورہال) سے بابِ معظم شاہ تک نوتعمیر شدہ سڑک

مسجد انور شاہ کے برآمدے کا منظر

کتب خانہ

Noor Graphics

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No. 078600101002339
Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786